

فقاتل في سبيل الله لا تكلف الای نفسك ولا حرمان المؤمن

حطین

عالمی شہادت کا داعی

شمارہ ۷، المجلد ۳۳۲

فمبہم من قحطی یحبہ

شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی شہادت اور عالمی تحریک جہاد

مدیر کے قلم سے

یہ کس کی فوج ہے؟

کنتم خیر امة اخرجت للناس

قرینہ کامر بالمعروف ونہی عن المنکر ضرورت و مشروعیت اور آداب و احکام

ان العکم الا لله

حشانت اسامیہ اور دیگر تلفظ نامہائے بیان

الذین ان مکناہم فی الارض

امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کے فرامین

مصحابہ

شیخ الحدادین جبر الرحمان السیدتان رحمہ اللہ کے ساتھ ادارہ حطین کی گفتگو

من المؤمنین رجال صدقوا

حکومت شیخ محمد رحمہ اللہ ایک وطن جہاد کے مظاہرات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حطین (<)

عالمی جہاد کا داعی

شمارہ ۷، ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ

حطین

حطین وہ میدان ہے جہاں تاریخ کا ایک عظیم معرکہ لڑا گیا تھا۔ جب سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں مسلمانوں نے صلیبی حملہ آوروں کو فیصلہ کن شکست دے کر ان کی سر توڑ دی تھی۔ یہی جنگ اہل کتاب ہے مسجد اقصیٰ کی بازیابی کا مقدمہ بنی۔

آج امت مسلمہ پھر اسی مرحلے سے دوچار ہے۔ آج پھر اہل اسلام پر ایک صلیبی جنگ مسلط ہے۔ ہاں البتہ فرق اتنا ہے کہ کل کی صلیبی جنگ میں صرف قبلہ اول مسجد اقصیٰ مسلوب تھی تو آج کعبۃ اللہ کی سر زمین بھی یہود و نصاریٰ کے زرخے میں ہے۔ یاد رکھیے کہ موجودہ دور کی صلیبی جنگ کا مقابلہ بھی اسی طرح ممکن ہو گا جس طرح ماضی کی صلیبی جنگوں کا مقابلہ کیا گیا تھا، بلکہ اس سے بھی زیادہ قوت و قربانیوں کے ساتھ۔۔۔ کیونکہ کل کی صلیبی جنگ کا شکار محض مسلمان تھے، جبکہ آج اسلام بچائے خود ہدف ہے۔ پس یہی حطین کا پیغام ہے!

idara.hitteen@yahoo.com

idara.hitteen@gmail.com

فہرست مضامین

فہمہم من قضی نحبہ

شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی شہادت اور عالمی تحریک جہاد

۶

مدیر کے قسم سے

یہ کس کی فوق ہے؟

۱۰

قاری عبدالجباری

کنتم خیر امة اخرجت للناس

شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد عظیم ”قائد الجہاد“ مرکزی قیادت کا بیان کے لئے امیر کی تاخیر و گنجائش

۳۵

کنتم خیر امة اخرجت للناس

فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ ضرورت و مشروعیت اور محمد ثقی حسان آداب و احکام (کتاب اول)

۵۳

ایک اور ”اسامہ“ کی ضرورت

عاطف بیگ

۶۸

اسامة قد سموت علی الیرایا

شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی شہادت پر دنیا بھر کے جہادی حلقوں کے تاثرات

۷۶

الذین ان مکناہم فی الاوض

امیر المؤمنین مامون بن محمد عمر مجاہد علیہ السلام کے فرامین

۸۰

۸۳	مولا نا قاری طیب رحمہ اللہ	إن الحكم إلا لله
۹۸	قائدین جہاد کے اقوال	خلافتِ اسلام اور دیگر نظام ہائے سیاسی
۱۰۵	شیخ خالد بن عبد الرحمن الحدیدان رحمہ اللہ کے ساتھ ادارہ حطین کی گفتگو	قال أمل النفور
۱۱۶	شیخ ابو الولید الفسطینی رحمہ اللہ	مصابیہ
۱۲۷	خواجہ عزیز الحسن رحمہ اللہ	جہاد کی فضیلت کے بقدرا احکامات جہاد کا علم بھی حاصل کیجئے!
۱۳۰	جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی	ہی اسرع فیہم من نضح النیل
۱۳۶	ڈاکٹر ہدایت اللہ مہمند	مسلم کی بیداری
۱۵۹	محمد شفی حسان	فاسئلوا اهل الذکر
		امریکہ و نیو کی افواج کے لیے مسلمان لے جانے والے کنٹینروں سے متعلق ایک اہم فتویٰ
		اعرف عدوک
		جدید عسکریت کے نظریات (قسط دوم)
		القائمتین والقائدات
		جہاد فی سبیل اللہ میں حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا کا کردار

۱۶۴	شیخ عطیہ اللہ رحمہ اللہ	من المؤمنین رجال صدقوا
۱۷۳	قاری عبد البہادی	جہاد کی شہادتیں جہاد کے شہادت
۱۷۵	امام ابن رجب حلی رحمہ اللہ	شہادت من الذہب
۱۸۸	امام ابن رجب حلی رحمہ اللہ	تبدل اللہ کی عظمت تو جانور بھی پہچانتے ہیں
۱۹۹	قارئین کے مراسلات	تصبر من الله وفتح قريب
		انصارِ اسلام (مبادین جہاد کی تحریریں)
		قد افلح من تزى
		اسباب مغفرت (قسط اول)

شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی شہادت اور عالمی تحریک جہاد

ادارۂ حطین

اس سال امت مسلمہ نے ایک ایسے المناک واقعے کا سامنا کیا، جو امت کی تاریخ کے کھن و واقعات میں سے ایک تھا۔ یکم مئی کو ایٹ آباد کے علاقے میں امت مسلمہ کے عظیم قائد شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ نے امریکیوں کے خلاف لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا اور دار فانی کو الوداع کہتے ہوئے دار اقلد کو ہو چلے۔

سب شک یہ تعزیت کا مقام ہے کہ ہمارے قائد ہم سے رخصت ہو گئے ہیں۔ آج آپ کی شہادت کی خبر ہر درد مند دل کو گھائل کیے جاتی ہے۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں بسنے والا مظلوم مسلمان خواہ وہ عراق کا کوئی بوڑھا ہو، بوسنیا کی بڑھیا ہو، بیت المقدس کی نوجوان بہن ہو یا افریقہ کا مسلم بچہ ہو، ہر کوئی شیخ اسامہ کے فراق پر اٹک بار ہے کیونکہ ظلم کی ہر گھڑی میں جب ان مظلوموں کو مایوسی کے سائے اپنی لپیٹ میں لینے لگتے تھے تو انھیں اللہ رب و عزت کے طفیل ایک ہی امید کی کرن نظر آتی تھی اور ایسے میں ان کی فغان وا اسماہ کی صورت میں ہی نکلتی تھی۔

یقیناً یہ گھڑی امت مسلمہ کے لیے غناک ہے کہ اسے عزت و عظمت کی منزل سے سرفراز کرنے والا رہبر اس سے چھڑ گیا ہے، جس نے اس صدی میں کفار عالم اور ان کے سرفراز امریکا کے خلاف علم جہاد بلند کیا، مسلم علاقوں میں تحریک جہاد پیا کی اور امت کے وقار کی بنا رکھی۔

بناشبہ یہ نجات مسلمانوں کے لیے افسردگی کا باعث ہیں کہ ان کے مقدسات کا محافظ آج ان میں موجود نہیں، جس نے اپنی ساری زندگی صلیبیوں کے گھبرے سے 'حرمین' کی خلاصی اور باودیوں کے تسلط سے 'بیت المقدس' کی آزادی کے لیے وقف کیے رکھی اور بارہا اپنی اس تاریخ ساز قسم کا اعادہ کیا کہ: "میں اللہ رب عظیم کی قسم کہ کڑہتا ہوں، جس نے آسمان کو بغیر کسی سہارے کے بلند کیا، کہ امریکہ اور اس میں بسنے والے اس وقت تک خواب میں بھی امن کا تصور نہیں کر سکتے جب تک ہمیں فلسطین میں حقیقی امن میسر نہ آجائے اور جب تک کفر کی تمام فوجیں نبی ﷺ کی سر زمین سے نکل نہ جائیں۔"

اور یہ ساتتین مجاہدین پر تو بہت بھاری ہیں کہ انھیں راہ حق سے روشناس کرانے اور پون صدی تک ان کی قیادت کرنے والا عظیم انسان آج انھیں داغ مفارقت دے چکا ہے، جس نے اپنی جوانی میں اکیلا راہ شوق کا آغاز کیا تھا مگر وہ اپنے عزم میں سچا تھا، اور اس کی صداقت کے طفیل دنیا کی تمام حکومتوں کی مخالفت کے باوجود اس شخص نے ایسی جماعت مجاہدین گھڑی کی جو آج دنیا کے مختلف خطوں میں کفار عالم اور ان کے سرفراز امریکا کے خلاف برسرِ پیکار ہے، اور اس وقت تک پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں!

← جب تک امریکا اور اس کے حواری مسلم سرزمینوں سے بھاگ نہ جائیں،

← جب تک مسلمان اپنی تمام مقبوضہ سرزمینیں واپس نہ لے لیں،

← جب تک دنیائے عالم میں خلافت اسلامیہ کا قیام عمل میں نہ آجائے،

← اور جب تک دنیا میں اللہ کا کلمہ بند اور توحید کا بول بانا نہ ہو جائے۔

یہ کس کی فوج ہے؟

غلامی عبد الہادی

حال ہی میں پاکستان کی سرزمین پر پے در پے ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں، جنہوں نے ہر سادہ فہم شخص کو پاکستان کی افواج اور خلیفہ انجینیئروں کے کردار کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ پہلے ایبٹ آباد میں مسلمانان عالم کی غیرت و حمیت کی علامت، کفار عالم کے خلاف جہاد و مزاحمت کے نشان، شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کو ان کے بیٹے اور دوساتھیوں سمیت شہید کیا گیا اور پاکستانی انجینیئروں نے آپ کے گھر کی خواتین کو گرفتار کر کے خلیفہ قید خانوں میں ڈال دیا۔ اس سے چند دن قبل پاکستانی فوج اور خلیفہ انجینیئروں نے ایبٹ آباد ہی میں ایک کارروائی کے دوران انڈونیشیا سے تعلق رکھنے والے جہادی قائد، عمر پاک کو گرفتار کیا۔ امریکہ و آسٹریلیا کو مطلوب اس مجاہد کو گرفتار کرنے کے بعد ان کی اہلیہ کو تمام اہل محلہ کے سامنے برہنہ کر کے فوجی گاڑی میں ڈالا گیا۔ پھر بلوچستان کے علاقے خروٹ آباد میں پولیس اور فوج کے اہلکاروں نے تہق شیشی بیٹوں کو شہر کی ایک مرکزی شاہراہ پر رسیوں سے باندھا اور گولیوں سے بھون کر شہید کر ڈالا۔ پھر پاکستانی دارالحکومت اسلام آباد سے معروف صحافی سلیم شہزاد کو اغوا کیا گیا اور چند روز بعد آئی ایس آئی اہلکاروں نے اسے قتل کر کے منڈی بہاؤ الدین کے علاقے میں اس کی لاش پھینک دی۔ اور اس کے بعد پورے پاکستان نے اہستہ و خوف کے عالم میں فی وی سکریٹوں پر کرچی کے ایک عام شہری سرفراز شاہ کو رہنمائی کے ہاتھوں دن و بیاتے قتل ہونے کا منتظر دیکھا۔ ان واقعات کے سلسلہ پر آج کے بعد کئی اصحاب علم و دانش اور تجزیہ نگار مبصرین نے یوں حیرت کا اظہار کیا تو انہیں انہی ہاتھوں ایسے جرائم کا ارتکاب کوئی

مطبوعہ (۷)

پاکستان کی فوج کی تاریخ سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا شخص بھی اس حیرت کا اظہار کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ذیل کی سطور میں ہماری کوشش ہوگی کہ تاریخی و علمی حقائق کی مدد سے اسی حیرت کو دور کرنے کی کوشش کریں جن میں یہ مختلف حضرات مبتلا تھے۔

پاکستانی فوج کی قبل از قیام پاکستان تاریخ

اگرچہ خود پاکستان کا قیام عمل میں آئے ابھی نصف ۶۳ سال گزرے ہیں، لیکن پاکستانی فوج کی بنیاد ایک صدی قبل ہی، سن ۱۸۳۹ء میں ڈال دی گئی تھی۔ شاید اسی لئے نہ صرف یہ فوج عمر میں اس ملک سے تقریباً سو سال بڑی ہے، بلکہ عملاً بھی اس ریاست کے ہر شعبے پر سو فیصد حاوی ہے۔ فوج یہاں اصل ہے اور باقی ہر شے اس کی فرع۔ لہذا فوج کی قبل از قیام پاکستان کی صد سالہ تاریخ جاننا بھی اہم ہے جتنا بعد از قیام پاکستان تاریخ سمجھنا اہم ہے۔

برطانوی ہندوستان کی "صد ارقی افواج"

۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی میں فتح یاب ہونے کے بعد برطانیہ درجہ درجہ پورے ہندوستان پر اپنی فوجی قابض ہو کر آگیا۔ برطانوی قیادت نے پورے ہندوستان پر اپنی فوجی قابض ہونے کے لئے بھی اسے قوت کا سہارا لینا پڑے گا۔ اسی بات کا اظہار سمیٹ کے ایک برطانوی گورنر نے ان الفاظ میں کیا:

"ہم نے ہندوستان کو تلواریں کے زور سے قابو کر رکھا ہے۔ اگر ہم اپنی فوجی برتری پر قرار نہ رکھ جائے تو ہمارا اقتدار بہت تیزی سے ختم ہو جائے گا۔"

چنانچہ ہندوستان پر اپنا غاصبانہ قبضہ برقرار رکھنے کے لئے برطانیہ نے ایک بھرپور فوج منظم کرنا شروع کی۔ فوجی قوت کے بل پر کسی قوم کو غلام بنانے کا عمل تو تاریخ میں پہلے بھی ہوتا رہا ہے، لیکن ایسا کم ہی ہوا ہے گا کہ کسی قوم کو اسی قوم کے سپاہیوں کی مدد سے غلام بنایا گیا ہو۔ برطانیہ نے اہل ہند کو

Colonel J. Mac Donald, Secretary to Government of Bombay, Military Department, 29th June 1875, in Paramilitary Papers, 1877, Vol. 62

مطبوعہ (۷)

قلام بنانے کے لئے ایک ایسی فوج تشکیل دینے کا فیصلہ کیا جس کی کمان توپوری انیسویں صدی کے ہاتھ میں ہو، لیکن جس کی سپاہ سب کی سب ہندوستانیوں پر مشتمل ہوں۔ اس فوج کو برطانیہ نے ہندوستان میں بطور فوج رکھ کر رکھ دیا۔ تین "صدری فوج" (Presidential armies) کی صورت میں ترتیب دیا۔ یہ تین فوج درج ذیل تھیں:

- بنگال آرمی
- بمبئی آرمی
- مدراس آرمی

مغربی ہندوستان (موجودہ پاکستان) پر انگریزوں کا قبضہ

۱۹ویں صدی کے ابتدائی حصے تک انگریزوں نے ہندوستان کے مشرقی، جنوبی اور وسطی علاقوں پر اپنا قبضہ نسبتاً مستحکم کر لیا تھا۔ اس وقت لاہور پر سکھوں کی حکومت تھی۔ سکھوں کی سلطنت اپنے عروج کے زمانے میں موجودہ نقشے کے اعتبار سے پاکستانی پنجاب، بھارتی پنجاب، کشمیر، صوبہ سرحد کے ہندوستانی علاقہ جات اور پنجاب کی سرحد پر واقع سندھ کے بعض علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ ۱۸۴۵ء سے ۱۸۵۰ء کے درمیان سید احمد شہید رحمہ اللہ کی برپا کردہ تحریک مجاہدین نے سکھوں سے مردانہ، یوئیر، پشاور اور کئی ملحقہ علاقے آزاد کرانے اور وہاں سید صاحب کی قیادت میں ایک باقاعدہ شرعی امارت قائم ہو گئی۔

۱۸۳۱ء میں سید صاحب اور ان کے معتد رفیق اور وقت کے معروف عالم دین شاہ اسماعیل شہید رحمہما اللہ نے سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے بالاکوٹ کے مقام پر جام شہادت نوش کیا تو قحطی طور پر یہ تحریک کمزور پڑ گئی۔ دوسری طرف سن ۱۸۳۹ء میں سکھ حکمران رنجیت سنگھ کی موت کے بعد باہمی اختلافات کے سبب سکھوں کا اقتدار کمزور ہوا۔ انگریزوں نے اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۸۴۹ء میں پنجاب پر دو مضبوط حملے کئے اور سکھوں کی باقی ماندہ قوت بھی ختم کر دی۔ یوں ۱۸۴۹ء کے اختتام تک سکھوں کی پوری سلطنت پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: تاریخ، عورت و عزیت، از سید ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ، جلد ششم، حصہ اول اور دوم



انگریز جہاں ایک طرف پنجاب اور سرحد میں سکھ اقتدار کو ختم کر رہے تھے، وہیں دوسری طرف سندھ اور بلوچستان پر بھی اپنا قبضہ مستحکم کرنے میں مصروف تھے۔ سندھ پر ٹالپور خاندان کے مسلمان امراء کی حکومت تھی، جو پہلے داخلی اختلافات کے سبب کمزور ہوئی اور سندھ کی وسیع سلطنت خیرپور اور میرپور کی دو علیحدہ حکومتوں میں بٹ گئی۔ اس کے بعد انگریزوں نے ۱۸۴۳ء میں میانہ کے مقام پر شدید جنگ کے بعد امیر ان سندھ کو شکست دی اور ساحل، سندھ سمیت سندھ کا بیشتر علاقہ انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔ نیز ۱۸۴۹ء تک انگریزوں نے قلات پر بھی قبضہ کر لیا اور ۱۸۴۳ء میں وہاں پولیسنگ لیگنٹ کا نظام نافذ کر دیا گیا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ بلوچستان کے دیگر علاقوں

تاریخ و عورت و عزیت، از سید ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ، جلد ششم، حصہ اول، ص ۴۷۰

پر بھی وہ اپنی گرفت سنبھال کر رہے تھے یہاں تک کہ ۱۸۷۹ء میں کوئٹہ پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔^۱ انگریزوں نے ان عسکری فتوحات میں 'پنگال آرمی' اور 'مد اس آرمی' کو استعمال کیا اور کامیابی کے بعد مغربی ہندوستان میں زیادہ تر پنگال آرمی کے افسر و سپاہی تعینات کئے گئے۔^۲

”فرنٹیئر فورس“ کا قیام

پنجاب اور سرحد کے شہری علاقوں پر قبضے کے بعد انگریزوں کو پہلا مسئلہ یہ درپیش تھا کہ اپنی مغربی سرحد کو کیسے محفوظ بنایا جائے۔ سید احمد شہید رحمہ اللہ کی شہادت کے وقتی دھچکے کے بعد تحریک مجاہدین آہستہ آہستہ دوبارہ منظم ہو رہی تھی، یہاں تک کہ ۱۸۵۶ء میں بالا کوٹ، گڑھی حبیب اللہ، ہاشمہ اور مظفر آباد کے علاقوں پر محیط ایک باقاعدہ شرعی امارت قائم ہو چکی تھی، جس کے امیر خٹہ، پنگال سے تعلق رکھنے والے مولانا عنایت علی عظیم آبادی تھے۔^۳ ان مجاہدین سے منسلک اور پشاور، مردان، کوہاٹ اور دیگر مقبوضہ علاقوں پر قبائلی مسلمانوں اور مجاہد دستوں کے صلے روکنے کے لئے ۱۸۳۹ء میں انگریز نے ایک نئی قوت، ”فرنٹیئر فورس“ (Punjab Irregular Frontier Force) قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ ”فرنٹیئر فورس“ کی دس رجمنٹیں منظم کی گئیں، جنہیں قبائلی علاقہ جات کی سرحد کے ساتھ ساتھ ذیرہ اسماعیل خان، کوہاٹ، بنوں اور پشاور میں متعین کیا گیا۔ ان دس رجمنٹوں میں سے پانچ پیادہ اور پانچ سوار رجمنٹیں تھیں۔ ہر رجمنٹ کی اعلیٰ کمان چار پورپی افسران کے ہاتھ میں ہوتی تھی، جن کے تحت سولہ (۱۶) مقامی افسر اور نو سو (۹۰۰) مقامی سپاہی کام کرتے تھے۔ مقامی سپاہیوں میں غالب اکثریت کا تعلق مقبوضہ علاقوں کی پشتون اقوام سے تھا، جبکہ پنجاب اور ہندوستان کے دیگر علاقوں کے مسلمان، سکھ اور ہند بھی شہنائم تعداد میں موجود تھے۔ ”فرنٹیئر فورس“ کا قیام ہی اصل پاکستانی فوج کا غیر رسمی نقطہ آغاز ہے۔ یہ فرنٹیئر فورس رجمنٹ آج بھی

^۱ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا سافٹ ویئر ۱۰۔

^۲ (دی گریڈن سٹیٹ) The Garrison State: The Government, Military & Society in

Colonial Punjab, 1849-1947, by Tan Tai Yong; page 39.

^۳ ”موج کوثر، از شیخ محمد اکرام، صفحہ ۵۱

”دی گریڈن سٹیٹ، صفحہ ۳۷

پاکستانی فوج کا جزو ہے اور اس کا نام تک تبدیل کرنے کی زحمت نہیں کی گئی، تاکہ اس ’روشن فوج‘ سے رشتہ برقرار رہ سکے۔ فوج میں اس رجمنٹ کو بالاختصار ”Piffers“ کے نام سے پکارا جاتا ہے، پاکستانی بری فوج کے دو سابقہ سربراہ جنرل مولیٰ خان اور جنرل عبدالوحید کاکڑ کا تعلق اسی رجمنٹ سے تھا۔ غور طلب نکتہ یہ ہے کہ قبل از قیام پاکستان اور بعد از قیام پاکستان کی افواج میں محض ایک اشتراک ہی نہیں، بلکہ عملًا بھی پاکستانی فوج اور ایف سی، آج قبائلی علاقہ جات اور سوات میں اپنی مقاصد کو پورا کرنے میں تنہا ہی سے مصروف ہے جن کے حصول کی خاطر انگریز نے تقریباً ایک سو سال قبل فرنٹیئر فورس تشکیل دی تھی۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی مناسب ہو گا کہ اسی رجمنٹ کے ’جوانوں‘ نے ۱۹۹۳ء میں صوابیہ کے مسلمانوں اور وہاں موجود شیخ اسماعیل رحمہ اللہ کے مجاہد باغیوں کے خلاف لڑائی میں بھی اپنی بھرپور خدمات پیش کی تھیں، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ!

۱۸۵۶ء کے جہاد (کوئٹہ) میں پاکستانی فوج کی رجمنٹوں کا کردار

برصغیر کا کوئی بھی باحمیت مسلمان انگریز کی غلامی تلے جینے پر راضی نہیں تھا۔ پھر انگریزوں کی حمایت بھلانے کی مہمات اور مقامی آبادی پر وحشیانہ مظالم دلوں میں مزید نفرتیں بھڑکے تھیں۔ اسی جذبہ نفرت کو تحریک مجاہدین سے وابستہ علمائے کرام نے درست سمت دی اور انگریز کی فوج میں کام کرنے والے مسلمانوں کو بغاوت پر ابھارا۔ ایک طرف پنگال میں مولانا عنایت علی اور مولانا دلایت علی رحمہما اللہ کے شاگردوں اور معتقدین نے فوجی حلقوں میں خصوصی محنت کی، تو دوسری طرف مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہما اللہ جیسے نمایاں علمائے وقت بھی اپنے متبعین سمیت میدان جہاد میں اتر آئے۔ بالآخر ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں پنگال آرمی کی دو پیادہ رجمنٹوں اور ایک سوار رجمنٹ میں بغاوت پھوٹ پڑی۔

^۱ 'We Are Soldiers', a documentary film series produced by DAWN News Channel.

^۲ دی گریڈن سٹیٹ، صفحہ ۵۰، مولان پنجاب اور ۱۸۵۷ء کی بغاوت

^۳ سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص ۲۵۳ (انگریزوں کی فوج میں مجاہدین کا تذکرہ)

میں نے کہا: "کیا تم کو معلوم ہے؟"

مقامی فوجیوں نے اپنے یورپی افسران کو قتل کر کے میرٹھ اور قریبی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے دہلی کا رخ کیا اور جو میں گھسنے کے اندر اندر دہلی سے بڑے حصے سے انگریز کو بے دخل کر کے بہادر شاہ ظفر کو ہندوستان کا بااقتدار بادشاہ بنا دیا۔ بغاوت کی اس آگ نے دیکھتے ہی دیکھتے دے وسطی دہلی و ہندوستان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

یہ ہندوستان میں برطانوی اقتدار کو پیش آنے والا سب سے بڑا خطرہ تھا۔ برطانوی قیادت ایک نیا تصوریت حال سے دوچار تھی۔ ایک طرف شمالی اور وسطی ہندوستان پر برطانوی گرفت عملاً ختم ہو چکی تھی، تو دوسری طرف بغاوت کی یہ لہر پنجاب، سرحد اور سندھ میں موجود 'بنگال آرمی' تک پھیل جانے کا خدشہ بھی قوی تھا۔ ایسے میں برطانوی فوجی قیادت نے کچھ فوری اقدامات اٹھاتے ہوئے سب سے پہلے پنجاب اور سرحد کو محفوظ بنانے کا فیصلہ کیا۔ پنجاب و سرحد میں موجود یورپی افسروں کی کل تعداد دس ہزار تین سو چھتیس (۱۰,۳۲۶) تھی۔ ان یورپی افسروں نے 'فرنٹیر فورس' کے تیرہ ہزار چار سو تیس (۱۳,۳۴۰) مقامی سپاہیوں کو ساتھ لیتے ہوئے پہلے پنجاب کی فوجی چھاننیوں میں موجود تمام بھاری اسلحہ اور فوجی ذخیرہ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس کے بعد اس خطے میں تعینات بنگال آرمی کے تمام غیر یورپی فوجیوں سے ہتھیار ڈالوائے گئے، جن میں سے زیادہ تر کا تعلق بنگال اور اس کے قریبی علاقوں سے تھا۔ یوں فرنٹیر فورس کی خدمت بروئے کار لاتے ہوئے امرتسر، لاہور، ملتان اور جہلم میں متعین کئی تیرہ ہزار (۱۳,۰۰۰) فوجیوں سے ہتھیار واپس لینے کا عمل پرامن طریقے سے مکمل کر لیا گیا۔

مغربی ہندوستان پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے بعد برطانوی قیادت نے دہلی اور اس کے گرد و نواح میں موجود فوج کی مدد کے لئے پنجاب سے کمک روانہ کی، جو کہ زیادہ تر یورپی سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ مگر دہلی کی فوج کے قائد جنرل آر تھروگسن نے یہ کہتے ہوئے مزید کمک طلب کی کہ: اگر ایسا نہ کیا گیا تو دہلی واپس لینا تو دور رسوا، خود لہذا دلاخ کرنا بھی ناممکن ہو جائے گا۔ اس نازک اور تاریخی موقع پر، جب پورے ہندوستان کا مستقبل ایک اہم دور رس پر کھڑا تھا اور ہندوستانی مسلمان انگریزی اقتدار سے نجات پانے کے لئے اپنا سب کچھ واؤ پر لگا رہے تھے، برطانیہ نے اس مبارک جہادی تحریک کو کچلنے کے لئے ایک نئی قوت کھڑی کرنے کا فیصلہ کیا۔ مئی سے دسمبر ۱۸۵۷ء کے درمیان پنجاب و سرحد سے ۳۴,۰۰۰ فوجی بھرتی کئے گئے جن میں سکھوں اور ہندوؤں کے علاوہ خود کو مسلمان کہلانے والے بھی بڑی تعداد میں شامل تھے۔ ان فوجیوں نے بنگال آرمی کے ان مقامی سپاہیوں کی جگہ سنبھالی

جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء



جن سے ہتھیار ڈالوائے گئے تھے، نیز انہی کو منظم کر کے اٹھارہ (۱۸) نئی پیادہ جہتیں بھی تشکیل دی گئیں۔ یہی وہ قوت تھی جس کی مدد سے برطانیہ نے دہلی واپس لیا اور بالآخر جون ۱۸۵۸ء تک یہ مبارک جہادی تحریک کچل ڈالی گئی۔ انہی بد بختوں کی مدد سے ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا، ان کی املاک تباہ کی گئیں، ہزار ہا علماء کو پھانسیاں دے کر تشنہ عبرت بنایا گیا اور مسلمان خواتین کی آبروریزی کی گئی۔ کتنی ہی خواتین نے اپنی عزتیں بچانے کے لئے کنوؤں میں چھلکتیں لگائیں۔ مولوی ذکاء اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”کنوؤں میں اس قدر عورتیں گریں کہ پانی میں ڈوبنے کی جگہ نہ رہی۔ پھر ان پر اور عورتیں گریں اور وہ ڈوب نہ سکیں۔“

دہلی پر قبضے کے بعد کا منظر بیان کرتے ہوئے انگریز جرنیل لارڈ رابرٹس لکھتا ہے:

”دہلی واقعی شہر شوشاں بنا ہوا تھا۔ ہمارے گھوڑوں کے سموں کی آواز کے سوا وہاں کوئی آواز نہ تھی۔ ہر طرف لاشیں پڑی تھیں۔ ہر لاش گل سزا رہی تھی۔ یہ مناظر بڑے ہی خوفناک اور دل دہا دینے والے تھے۔ کتنے لاشوں کے اعضاء بھینچوڑ رہے تھے۔ بعض لاشوں کو گدھ کھا رہے تھے۔ ہمارے گھوڑوں پر بھی دہشت طاری ہو گئی تھی۔ وہ بدکتے اور نتھتے پھلا کر عجیب سی آوازیں نکالتے تھے۔“

’فتح فوج‘ مسلمانوں کے گھروں میں موجود تجارتی مال، سونا چاندی، نقدی، کتابیں اور گھریلو سامان، حتیٰ کہ چار پائیاں تک اٹھ کر ساتھ لے گئی۔ ’الغرض، ظلم کا ہر ممکن حربہ استعمال کیا گیا تاکہ مسلمان دوبارہ کبھی جہاد کا نام لینے کی جرأت نہ کریں۔

۱۸۵۷ء کی جہادی تحریک کو کچلنے میں مغربی ہندوستان (موجودہ پاکستان) کی رجمنٹوں نے جو کردار ادا کیا، وہ برطانوی فوجی قیادت کے لئے بھی خوفناک اور طور پہ حیران کن تھا۔ ایک معروف انگریز مصنف نے اس زمانے میں لکھا کہ:

^۱ سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص ۳۶۷

^۲ Forty one Years of India, by Roberts

^۳ سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص ۳۶۸

یہاں پر یاد دہانی کی بات یہ تھی کہ ’نادر‘ کے دوران اگرچہ عام طور پر یہ سمجھا جا رہا تھا کہ ان کی ایک اندوستانوں کے خلاف ہے، مگر اس جنگ کربر قرار رکھنے اور اس کو بد پچپانے کے لئے انہی کو گمراہی میں ڈال دیا گیا تھا۔ جو کام ان کے سپرد کیا جاتا اسے بڑی تندہی اور وفاداری سے سر انجام دیا۔ اگرچہ ہمارے دوران کے درمیان کچھ بھی خاصیت اور جہاد کی نہیں اور نہ ہمارے اور ان کے درمیان یہ دیکھی ضرورت ہوتے تو نہ ہماری فوج کو کھانا ملتا، نہ ہمارے گھوڑوں کو کھانا ملتا۔ ہمارے فوجی توپوں میں گولے ڈالے جاسکتے اور نہ ہی ہمارے بھاری اسلحے کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کیا جاسکتا۔ اور تو اور، ہم اپنے مردوں اور زخمیوں کو میدان جنگ سے اٹھانے کا کام بھی نہ ہوتے۔ مگر ہمارے یہ دیکھی ملازم ہر حال میں ہمارے وفادار رہے اور صرف چند ماہانہ ان کی خاطر یہ کرائے کے مٹو ہمارے ساتھ چھپے رہے اور انہوں نے کبھی خیال نہیں کیا کہ ایسا کرنا ان کے لئے کتنی بے غیرتی کی بات ہے!“

پہلے برطانوی فوج نے جنگ کے بعد بھی ان وفادار فوجیوں کو نوکری پر بحال رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ان کی فوجیوں کے باغیانہ رجحانات اچھپتے ہوئے یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ ’بنگال آرمی‘ میں پنجاب و سرحد کے فوجیوں کا تناسب بتدریج بڑھایا جائے گا اور بنگالی فوجیوں کا تناسب بتدریج کم کیا جائے گا۔ یہ پہلی بار کہ مغربی ہندوستان کے لوگوں کو فریئر فورس (جو کہ ایک نیم فوجی فورس تھی) سے آگے بڑھ کر برطانیہ کی باقاعدہ فوج میں بھی شامل کیا جا رہا تھا۔ بھرتی کا یہ سلسلہ بتدریج جاری رہا، یہاں تک کہ ۱۸۷۰ء تک بنگال آرمی میں پنجاب و سرحد کے فوجیوں کا تناسب بڑھ کر ۳۵ فیصد تک پہنچ گیا۔^{۱۵} اس کے علاوہ ایک قبیلہ سی احمد اد میں بلوچ قومیت کے لوگ بھی فوج میں شامل ہوئے۔

مغربی ہندوستان سے بھرتی کی جانے والی یہ رجمنٹیں بھی آج تک پاکستانی فوج میں انہی ناموں کے ساتھ برقرار ہیں جو ۱۸۵۷ء کے جہاد کے وقت انہیں انگریزوں نے عطا کئے تھے!

^{۱۵} سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص ۳۶۲ (نور: Kaye, Volume II, Page: 454-455)

^{۱۶} دی گیزٹ برٹین، صفحہ ۵۵

افغانستان کی سمت سے خطرات اور پاکستانی فوج کی تاسیس اول

۱۸۳۸ء میں برطانیہ نے افغانستان پر حملہ کر کے اپنے وفادار سردار دوست محمد خان کو کابل کا حاکم مقرر کیا۔ ۱۸۶۳ء میں دوست محمد خان کی وفات کے بعد برطانیہ افغان تعلقات بتدریج کشیدہ ہوتے چلے گئے اور افغانستان کا نیا امیر برطانیہ سے سرکش ہو کر روس سے قربتیں بڑھانے لگا۔ اسی پس منظر میں، سن ۱۸۷۸ء میں دوسری برطانیہ افغان جنگ کا آغاز ہوا اور برطانیہ نے کابل پر قبضہ کرنے کے بعد یعقوب خان نامی آلہ کار کو کابل کا نیا امیر مقرر کیا۔ افغانستان کے پراڈوں سے ٹکرانے کے بعد برطانیہ نے یہ بات بخوبی سمجھ لی تھی کہ افغان قوم کو بزدل قوت غلام بنانا ناممکن ہے۔ اسی لئے اس نے اپنے سامنے بنیادی ہدف بس یہی رکھا کہ افغانستان میں ایک ایسی حکومت موجود ہو جو اس کی مغربی سرحدات کے لئے کسی خطرے کا باعث نہ بنے۔ نیز برطانیہ یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ افغانستان اب اس کے

اور روس کے درمیان سیاسی رسد کشی کا ایک مستقل میدان بن رہا ہے گا۔ اسی لئے اس نے:

- ہندوستان کی مغربی سرحدات کی حفاظت کرنے،
 - روسی خطرے سے نمٹنے،
 - اور انگریز کے نمک خوار کر زنی نما عسکرائوں کے خلاف افغان عوام کی ممکنہ بغاوتیں کچلنے
- کی غرض سے مغربی ہندوستان (یعنی موجودہ پاکستان) میں اپنی فوج کو مزید مضبوط و منظم کرنے کا فیصلہ کیا۔ معروف برطانوی جرنیل لارڈ رورٹس، جو پہلے فرنٹیئر فورس کا سربراہ رہا، پھر افغانستان پر حملے کی قیادت کی اور ۱۸۸۵ء میں بنگال آرمی کا سربراہ مقرر کیا گیا، اور برطانوی جرنیل جنرل جورج میک مکن (Mac Munn)؛ دونوں ہی اس بات کے پر زور داعی تھے کہ مذکورہ بالا اہداف حاصل کرنے کے لئے یہ لازم ہے کہ برطانوی قابض فوج برصغیر کی بہترین جنگجو نسلوں پر مشتمل ہو۔ چنانچہ برطانوی جرنیلوں نے برصغیر کی مختلف اقوام کے ساتھ اپنے تجربات کی روشنی میں کچھ مخصوص علاقوں میں پائی جانے والی مخصوص اقوام کو ”جنگجو نسلیں“ (martial races) قرار دیا۔ ان اقوام کو محض ان کی جنگی صلاحیتوں کے سبب نہیں چنا گیا، بلکہ ان کی برطانوی حکومت سے وفاداری اور ان کی معاشی

۱. یہ وہی ہے جو اصل بھی مد نظر رکھے گئے۔ برطانیہ کی چنیدہ جنگجو نسلوں والے ان علاقوں میں
۲. یہاں اطلاع درج ذیل تھی:

- ضلع بہلم
- ضلع راولپنڈی
- ضلع انک
- ضلع کوہاٹ
- ضلع بونیر



۲. ”جنگجو نسلوں“ (martial races) کا عرفیاتی مفہوم خود ایک تفصیل طلب موضوع ہے، جس کو گہرائی سے سمجھنے کے لئے

سنگھار ریویو جرنل کے پروفیسر نانائی لنگ کی معروف کتاب: ”ایک ہیریزن سنٹ کا ساتھ دینیہ رہے گا۔“

۱۸۸۵ء میں جب جنرل روبرٹس نے بنگال آرمی کی قیادت سنبھالی تو نہ صرف بنگال آرمی مدراس اور بمبئی آرمی میں بھی غیر جنگجو نسلوں کی جگہ ان وقادار جنگجو نسلوں کو بھرتی کرنے کا تیزی سے شروع ہو گیا۔ یہ سلسلہ جنرل روبرٹس کے بعد لارڈ کچنر (Kitchener) نے بھی جاری رکھا۔ نیز اس نے ہندوستان میں موجود پوری برطانوی فوج کی تنظیم فوجی بھی کی۔ کچنر نے ۱۹۰۳ء تک بنگال اور بمبئی کی صدارتی افواج کو باہم ضم کر کے ایک مرکزی کمان کے تابع کر دیا۔ پھر ”شاہی ہندی فوج“ (Royal Indian Army) کو چار علاقائی کمانوں میں تقسیم کیا، یعنی بنگال پنجاب (جس کے تحت فرنٹیئر فورس بھی شامل تھی)، مدراس اور بمبئی کی کمان۔ چونکہ یہ ساری تہذیبیں افغانستان اور روس سے درپیش خطرات کے تناظر میں کی گئی تھیں، اس لئے پنجاب کی کمان افغانستان کے سب سے قریب واقع ہونے کے سبب مرکزی اہمیت اختیار کر گئی۔ نیز ملتان ہندوستان کے چار اہم علاقوں: پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان پر گرفت مضبوط رکھنا بھی اسی کمان کے قسے لگا۔ پھر اس کی اہمیت کا ایک اور سبب یہ بھی تھا کہ سن ۱۹۰۰ء تک پورے ہندوستان میں پہلی شاہی ہندی فوج کی آدمی سے زائد (50.6 فیصد) فزری وہ ”جنگجو نسلیں“ فراہم کر رہی تھیں جن کی اکثریت پنجاب و سرحد کے علاقوں سے تعلق رکھتی تھی۔ قابض برطانوی افواج کی یہی ”پنجاب کی فوجی کمان“، درحقیقت آج کی پاکستانی فوج کا دل ہے۔ پس اس کمان کے ہاتھ قیام کو پاکستانی فوج کی تاسیس اول اور لارڈ کچنر کو پاکستانی فوج کا مؤسس اول کہنا کچھ زیادہ غلط نہ ہو گا۔

یہ پورا پس منظر سمجھ لینے کے بعد اس نتیجے تک پہنچنا مشکل نہیں رہتا کہ (۸۰ء کی دہائی میں) پاکستانی فوج نے اگر روس کے خلاف جہاد میں مجاہدین کی کوئی مدد کی، تو وہ کسی دینی سوچ سے زیادہ اسی برطانوی سوچ کا مظہر تھی جو روس کو اپنے لئے ایک مستقل خطرہ سمجھتی تھی۔ اسی طرح اگر پاکستانی فوج آج افغانستان کی طالبان تحریک کو کوئی مدد فراہم کرے تو اس کا سبب بھی یہ نہیں ہو گا کہ فوج کی قیادت شرعی نظام کو غالب دیکھنے کے لئے ہے جیسا کہ ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو یہ فوجی قیادت سب سے پہلے

۱۸ یہ بات خارج از امکان نہیں کہ انفرادی سطح پر کچھ فوجوں نے دینی جذبے سے افغان مجاہدین کی معاونت کی ہو، لیکن فوج نے بحیثیت ادارہ جو پالیسی اپنائی وہ اللہ کے لئے کو سر بلند کرنے کی خاطر نہیں تھی۔ وہ تو ریادی سادات پر مبنی، برطانوی پالیسی کا تسلسل تھی۔

۱۹۱۳ء میں پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوتا ہے۔ خلافت عثمانیہ نے اس جنگ میں جرمنی کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اور یوں اسے بیک وقت برطانیہ، فرانس، روس، اٹلی اور یونان سمیت کئی یورپی ممالک کی یلغار کا سامنا کرنا پڑا۔ تاریخ اسلامی کے اس نازک موڑ پر جب نادری قوت میں کہیں برتر صلیبی افواج پوری شدت کے ساتھ عالم اسلام کے قلب پر حملہ آور تھیں، ہندوستان میں بالکل متضاد موقف کے حامل دو واضح گروہ نظر آ رہے تھے۔ پہلا گروہ ان علماے کرام، مجاہدین اور عوام المسلمین کا تھا جو خلافت بچانے کے لئے ہر ممکن قربانی دینے پر تیار تھے اور دھوتی، عسکری، سیاسی، ہر محاذ پر وقار خلافت کے لئے کوشاں تھے۔ اسی گروہ کی ایک نمائندہ شخصیت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ تھے جو سرحدی علاقہ جات میں موجود تحریک مجاہدین کے عناصر کے ساتھ مل کر ایک بھرپور عسکری تحریک برپا کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ آپ بالآخر برطانیہ کے خلاف سازش کے الزام میں مجاز سے گرفتار کیے گئے اور جزائر مالٹا (اس وقت کے گوانتانامو) میں قید کر دیے گئے۔



انہوں نے طرف سے لڑائی و قربانی کی یہ تاریخ رقم ہو رہی تھی، تو دوسری طرف وہ فوجی و جاگیردار طبقہ
 کی طرف سے لڑائی اور سلطنت برطانیہ کا دفاع کرنے کے لئے اپنی تمام تر خدمات پیش کر رہا
 تھا۔ ۱۹۱۸ء سے نومبر ۱۹۱۸ء تک ہندوستان کے ۱۵ لاکھ فوجی، نیم فوجی اور غیر فوجی افراد یورپ،
 افریقہ، مشرق وسطیٰ کے مختلف محاذوں پر برطانوی کمان تھے جنگ میں شریک ہوئے۔ اس پورے
 عرصہ میں لاکھ لاکھ فوجی پورے ہندوستان سے بھرتی کئے گئے، جن میں سے ۶۰ فیصد پنجاب
 کی فوجی تھیں۔ لے فراہم کئے۔^{۱۹}

اس دولت فوج کے سپاہیوں کو مصر میں نہر سوئز کی حفاظت پر تعینات کیا گیا جہاں انہوں نے
 ۱۹۱۵ء میں عثمانی فوج کا ایک مضبوط حملہ پسپا کر کے برطانیہ کی رسد کے اس اہم ترین رستے کی
 حفاظت کی۔ انہی کو فارس میں موجود تیل کے کنوئیں کو عثمانی فوج کے حملوں سے محفوظ بنانے کا کام
 دیا گیا۔ پھر برطانوی جرمنل سینیٹی موڈ نے ایک لاکھ چھیالیس ہزار (۱,۶۶,۰۰۰) فوجیوں پر
 مشتمل لشکر کے ساتھ فروری ۱۹۱۷ء میں بغداد کی سمت پیش قدمی شروع کی تو اس کے لشکر کی بھی دو
 پہلی لہروں کا تعلق ہندوستان ہی سے تھا۔ ۱۱ مارچ ۱۹۱۷ء تک ان وفادار فوجیوں کی مدد سے برطانیہ نے
 بغداد پر قبضہ مکمل کر لیا۔ پھر اسی فوج کے سپہاے جرنل ولیم مارشل (William Marshal) نے
 ۱۹۱۸ء میں تیل کے وسیع ذخائر کے حاش شہر موصل پر قبضہ کیا۔ پھر جب برطانیہ کی صلیبی فوج
 نے سرزمین انبیاء فلسطین کو صدیوں بعد مسلمانوں سے چھینا اور وہاں صہیونی اسرائیلی ریاست کی بنیاد
 ڈالی، تو اس مکروہ فوجی مہم میں بھی شاہی ہندی فوج پوری طرح شریک رہی۔ بد بخت برطانوی جرمنل
 مارشل دہلی بی، جس نے فلسطین میں داخلے کے بعد صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کی قبر پر لٹ مار کر انہیں
 حاکمیت سے مخاطب کیا تھا، اس بد بخت کی قیادت میں ستمبر ۱۹۱۷ء میں غزہ اور دسمبر ۱۹۱۷ء میں بیت
 المقدس پر قبضہ کرنے والی فوج کا ایک بڑا حصہ ہندوستان سے بھیجی گئی رجمنٹوں پر مشتمل تھا، وہاں
 میں عاز بعد هذا العاراً

شاہی ہندی فوج نے ہر محاذ پر کفار کے لئے 'قربانیاں' دیں۔ میرٹھ اور لاہور کی ایک ایک پیادہ
 اور پٹن کو فرانس میں تعینات برطانوی فوج کی کمک کے لئے بھیجا گیا، جہاں چند ہفتوں کے اندر اندر

یہ کس کی فوج ہے؟

آدھی لاکھ اور ڈیڑھ لاکھ جرمن فوج کے ہاتھوں ماری گئی۔ اپریل ۱۹۱۵ء کی ایک رات میں ڈیم پھٹنے لگے سے لاکھ اور ڈیڑھ لاکھ جرمن فوجی مر دے ہوئے۔ اسی طرح ترکی کے دوسری اہمیت کے حامل جزیرہ نمائندگی پولی پر قبضہ کرنے کی ناکام مہم میں بھی بہت سے ہندو جہنم واصل ہوئے۔ ۵۹ء سنہ راتفلز کے حوالدار عبدالرحمان نے ۱۹۱۵ء میں ہندوستان میں موجود اپنے ایک فوجی دوست نائیک راج ولی خان کو خط لکھا، جو ۲۱ ویں رجنٹ سے تعلق رکھتا تھا اور ڈوب (بلوچستان) میں تعینات تھا۔ یہ خط اس بات کو بخوبی واضح کرتا ہے کہ یہ کرائے کے فوجی 'نی سٹیل الطافوت' کیسی سخت 'ڈیوٹی' دے رہے تھے:

"خدا کا واسطہ ہے! یورپ کی اس جنگ میں شریک ہونے پر گزرت آنا! مت آنا! مت خط لکھ کر بتاؤ کہ کہیں تمہیں یا تمہاری رجنٹ والوں کو یہاں بھیجا تو نہیں جا رہا۔ میں بہت پریشان میرے بھائی یکتوب خان کو بھی کہہ دو کہ خدا کا واسطہ ہے! الٹا نام مت لکھو اے! اگر تمہارے رشتہ دار ایسا ارادہ رکھتے ہیں تو ان کو بھی میری یہی نصیحت ہوگی کہ ہرگز بھرتی نہ ہوں..... مشین گنیں اور بم یہاں یوں برس رہے ہیں گویا مون مون کی بارش ہو۔ ہم میں سے جو لوگ زندہ ہیں ان کی تعداد ہانڈی میں باقی رہ جانے والے چند دانوں سے زیادہ نہیں۔ میری کمپنی میں صرف لوگ باقی بچے ہیں اور پوری رجنٹ میں صرف دوسرے۔"

یقیناً شاہی ہندی فوج کی ان غیر معمولی 'قربانیوں' کے بغیر برطانیہ اور اس کے اتحادی طاقتوں کو گرانے اور جرمنی کو شکست دینے میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔

دوسری جنگ عظیم میں پاکستانی فوج کا کردار

دوسری جنگ عظیم دراصل پہلی جنگ عظیم ہی کا تسلسل تھی، البتہ اس بار خلافت عثمانیہ دنیا نقشہ پر موجود نہیں تھی۔ جنگ میں اتحادی افواج کا پیادہ مقصد جرمنی کی فتوحات کو روکنا تھا، جو خطر

Documentary Film 'Blood & Oil, The Middle East in World War I', produced by:

INECOM Entertainment, Producer: Marty Callaghan

مزید دیکھئے: 'دی گیریزن سٹیٹ'، صفحہ ۱۰۰-۱۰۱

'دی گیریزن سٹیٹ'، صفحہ ۱۰۰

مطالعہ (۷)

مدیر کے قلم سے

پہلی جنگ عظیم کا دورانیہ ۱۹۱۴ء سے پہلی جنگ عظیم کی شکست کا بدلہ لے رہا تھا۔ ہٹلر کی افواج نے دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان کے اندر اپنی سرکوبی اور ہٹلر کی زیادہ مزاحمت جھیلے بغیر ہی قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس کی افواج نے فرانس کا رخ کیا اور کچھ مزاحمت کا سامنا کرنے کے بعد اسے بھی فتح ہوئی۔ اس کے بعد صورت حال میں، جب یورپ پر ہی جرمنی کے قبضے میں چلے جانے کا اندیشہ تھا، ہندوستان کے ایک بار پھر شاہی ہندی فوج کی خدمات لینے کا فیصلہ کیا۔ ہندوستانی فوجیوں نے بھی 'فرض' ادا کیا، یہ ایک کہہ اور ۱۹۳۵ء تک صرف مغربی ہندوستان سے اس جنگ میں شرکت کے لئے (۸۱ لاکھ) فوجی بھرتی ہوئے۔ نیز پورے ہندوستان سے اس جنگ میں شریک ہونے والے فوجیوں کی تعداد ایک تہائی تعداد 'پنجاب کی فوجی کمان' نے فراہم کی۔^{۲۲}

جنگ عظیم اول و دوم میں شاہی ہندی فوج کی اسی غیر معمولی کارکردگی نے خود برطانوی فوجی کمانڈر کو بھی حیران کر دیا اور یہ بات ان کے یہاں ایک مسلم حیثیت اختیار کر گئی کہ اس سے زیادہ قابل اعتماد فوج ملنا ممکن ہے۔ تبھی تو پاکستانی فوج کی تاریخ پر لکھنے والے معروف تاریخ دان ایس۔ اے۔ پٹیل کو بہن نے لکھا ہے کہ:

"ہندی ایشیا کے سلامتی معاملات سے منسلک تقریباً تمام برطانوی فوجی جرنیل تقسیم ہند کے تصور کے ناخوش تھے..... ان کا خیال تھا کہ قدیم ہندوستانی فوج، جو تقریباً دو سو سال سے موجود تھی، دو تقسیم ہندوں اور بہت سی چھوٹی لڑائیوں میں اپنی افادیت ثابت کر چکی ہے (اس لئے اس سے دستبردار ہونا اس امر نقصان کا سوا ہے)۔"^{۲۳}

ہندوستانی فوجی کس چیز کی خاطر لڑ رہے تھے؟

ظاہر ہے کہ پہلی اور دوسری جنگ عظیم، دونوں میں ہندوستانی فوجی نہ تو کسی دینی غیرت یا قومی

^{۲۲} دی گیریزن سٹیٹ، صفحہ ۸۱ اور صفحہ ۳۰۱

^{۲۳} سٹیٹن پی کونین کی تصنیف: The Pakistan Army کا اردو ترجمہ بعنوان 'پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم'، مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ص ۳۰

اترے تھے۔ ان کے سامنے بنیادی محرک بعینہ وہی تھا جس نے انہیں ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر ابھارا تھا؛ اور جس کا تذکرہ ایک انگریز مصنف نے ان الفاظ میں کیا تھا کہ:

”صرف چند ماہانہ روپوں کی خاطر یہ کرائے کے ٹٹو ہمارے ساتھ چھٹے رہے۔“^{۲۴}

۱۸۵۷ء کے جہاد کو کچل دینے کے بعد انگریز نے جہاد سے لاطعلق اور انگریزی سرکار سے وفادار رہنے والے افراد میں بڑی بڑی زمینیں تقسیم کی تھیں۔ اس کے بعد سے انگریز کا مستقل دستور چلا آ رہا تھا کہ وہ ہر سال چند منتخب فوجی افسران کو ان کی نمایاں کارکردگی کی بناء پر پانچ، پانچ سو ایکڑ زمین عطا کرتا تھا۔ پھر کچھ عرصے بعد انگریزی حکومت نے چناب، جہلم، لوئر باری دو آب اور نیلی بار کے زرخیز علاقوں میں چار وسیع نہری کالونیاں بنائیں جن کی زمینیں سالہا سال برطانوی سرکار سے وفادار فوجی و غیر فوجی طبقات میں تقسیم کی جاتی رہیں۔ ایک عطا اندازے کے مطابق اس منصوبے کے تحت کل پانچ لاکھ ایکڑ زمین تقسیم کی گئی۔ یہ زمینیں بالعموم ۹۹ سال کے لئے اجارے (lease) پر دی جاتی تھیں۔ زمین لینے والے فوجی کو حکومت سے یہ معاہدہ کرنا پڑتا تھا کہ:

”مجھ پر لازم ہے کہ میں ابھی اور اس کے بعد بھی ہمیشہ وفادار رویے کا مظاہرہ کروں اور ہر مصیبت اور بد نظمی کے موقع پر حکومت اور اس کے افسروں کی عملی مدد کروں..... اگر مقامی حکومت کو کسی بھی وقت یہ محسوس ہوا کہ میں اس شرط کی پاسداری نہیں کر رہا تو وہ یہ معاہدہ ختم کر کے زمین واپس لینے کی مجاز ہے۔“^{۲۵}

وفادار یاں خریدنے کی یہ روایت جاری رکھتے ہوئے، پہلی جنگ عظیم کے دوران پنجاب کی سول انتظامیہ نے شاہی ہندی فوج کے سربراہ اعلیٰ کو ایک لاکھ اسی ہزار (۱،۸۰،۰۰۰) ایکڑ قیمتی نہری زمین عطا کی تاکہ اسے جنگ میں نمایاں کارکردگی دکھانے والے افسروں میں تقسیم کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ جنگ میں شریک ہر فوجی کے ماں باپ کو نقدی وغیرہ کی صورت میں انعامات دیئے جاتے، فوجیوں کی بیواؤں کو عام حالات سے کہیں زیادہ پینشن ملتی اور فوج میں بھرتی ہونے والے ہر فرد کو بھرتی ہوتے ہی

^{۲۴} سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، ۱۱۱، اکٹر صادق حسین، ص ۳۹۲ (حوالہ: Kaye, Volume II, Page: 392)
(454-455)

^{۲۵} ڈی گیریزن سٹیٹ، صفحہ ۹۰-۹۱

یہاں (۵۰) روپے بونس دیا جاتا تھا۔ نیز جو شخص اپنے جتنے زیادہ رشتہ داروں کو فوج میں بھرتی کروا سکا، اسے ٹیکسوں میں اتنی ہی زیادہ چھوٹ ملتی۔ اسی طرح جس خان، ملک یا نواب کی قوم جنگ کے دوران زیادہ وفاداری کا مظاہرہ کرتی، اسے اتنی ہی بڑی جاگیر اور القابات عطا کئے جاتے۔^{۲۶} باوجود اس کے کہ پہلی جنگ عظیم میں مارے جانے یا معذور ہونے والے ہندوستانی فوجیوں کی تعداد لاکھوں میں پہنچ گئی تھی اور ہندوستانی فوجیوں کو جنگ میں نہایت ہی مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا، لیکن دوسری جنگ عظیم کے موقع پر بھی اس حقیر دنیاوی مال و متاع کی خاطر ہندوستان کے لاکھوں فوجی ایک بار پھر برطانیہ کے دفاع کی جنگ لڑنے میدان میں اتر آئے تھے۔

پس تنخواہ، ترقی، زمین اور پینشن ہی وہ بنیادی محرک تھے جن کی لالچ میں ہندوستانی فوج ڈیڑھ دو سو سال اپنے برطانوی آقاؤں کی خدمت کرتی رہی۔ نیز اس فوج میں سے بھی سب سے نمایاں کردار پنجاب کی فوجی کمان نے ادا کیا جسے اپنی غیر معمولی وفاداری کی بدولت ”برطانوی راج کے دائیں بازو“ یا ”Sword Arm of the British Raj“^{۲۷} کا خطاب ملا۔

پاکستانی فوج کی بعد از قیام پاکستان تاریخ

پاکستانی فوج کی تاسیس ثانی

۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان نامی ریاست دنیا کے نقشے پر نمودار ہوئی، جو مغربی ہندوستان کے پانچ مسلم اکثریتی علاقوں (پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان اور کشمیر) کے علاوہ مشرقی ہندوستان کے خطہ بنگال پر مشتمل تھی۔ اگرچہ برصغیر کے عام مسلمانوں نے قیام پاکستان کے لئے قربانیاں اس امید سے دی تھیں کہ یہاں ’لا الہ الا اللہ‘ کی حکومت قائم ہوگی؛ لیکن ایک تلخ حقیقت اس خواب کی تکمیل میں واضح طور پر حائل تھی۔ تقسیم کے فارمولے کے تحت پاکستان کے حصے میں جو فوج آئی تھی، وہ لا الہ الا اللہ کے مفہوم سے نا آشنا وہی شاہی ہندی فوج تھی جو پورے دور غلامی میں مسلمانوں کا خون بہاتی اور برطانوی راج کا دفاع کرتی رہی تھی۔ اس پوری فوج اور اس کے اثاثوں کا چھتیس (۳۶) فیصد حصہ

^{۲۶} ڈی گیریزن سٹیٹ، صفحہ ۱۲۲

^{۲۷} ڈی گیریزن سٹیٹ، صفحہ ۳۰۱

یہ کس کی فوج ہے؟ - زیادہ رجمنٹیں، آٹھ (۸) توپخانہ رجمنٹیں اور آٹھ (۸) بکتر بند پاکستان کو ملا، جس میں آٹھ (۸) زیادہ رجمنٹیں، آٹھ (۸) توپخانہ رجمنٹیں اور آٹھ (۸) بکتر بند رجمنٹیں شامل تھیں۔ اس کے علاوہ کئی تربیتی مراکز اور کراچی اور چٹاگانگ میں واقع بحری تحصیلات بھی پاکستان کو دی گئیں۔^{۲۸} چنانچہ قیام پاکستان کے وقت ملک کا سب سے بڑا، منظم اور قوی ادارہ یہی فوج کا ادارہ تھا، جس کا منطقی نتیجہ یہی نکلا کہ آنے والے سالوں اور دہائیوں میں اسی ادارے نے اس ملک کی باگ ڈور مکمل طور پر سنبھال لی اور قیام پاکستان سے قبل نافذ فرنگی نظام میں کوئی جوہری تبدیلی نہیں آنے دی۔

اگر قیام پاکستان کے بعد کچھ سنجیدہ اقدامات اٹھائے جاتے اور انگریز کی وفادار اس پوری فوج کو جڑ سے تبدیل کر دیا جاتا، اس کا تربیتی نصاب جید علمائے دین، سرحدی علاقہ جات میں موجود مجاہدین اور جدید عسکری ماہرین کی رہنمائی میں از سر نو ترتیب دیا جاتا، فوج کی مکمل تنظیم نو کی جاتی اور انگریز کے نمک خوار افسر طبقے کو نکال پھینکا جاتا تو شاید اس بات کا کوئی امکان ہو تا کہ یہ فوج ہماری فوج بن جائے۔ لیکن عملی حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہ ہو سکا، اور نہ ہی شاید اس سمت کچھ زیادہ سوچا گیا۔ نتیجتاً قیام پاکستان کے بعد بھی شاہی ہندی فوج بلا ترمیم و ترمیم برقرار رہی، البتہ اب خونِ مسلم میں لتھڑے ہاتھوں والی اسی فوج کو 'پاک فوج' کہا جانے لگا!

پاکستانی فوج کی اٹھان میں برطانیہ کا کردار

تقسیم ہند سے قبل انگریزوں کی فوجی قیادت مقامی فوجیوں کو بالعموم اعلیٰ عہدوں تک ترقی نہیں دیتی تھی، اس لئے پاکستانی فوج کو ابتدائی عرصے میں افسروں کی شدید کمی درپیش ہوئی۔ ڈیڑھ لاکھ فوجیوں کی کمان سنبھالنے کے لئے صرف ڈھائی ہزار افسر میسر تھے، جبکہ ضرورت چار ہزار افسروں کی تھی۔ اس کی کو برطانیہ، ہنگری اور پولینڈ کے افسروں نے پورا کیا، جن میں سے بعض ۱۹۵۰ء کی دہائی تک بھی موجود رہے۔ یہی نہیں بلکہ پہلے پانچ سال تو پاکستانی بڑی افواج کی قیادت اعلیٰ بھی انگریز افسروں کے ہاتھ میں رہی۔ پاکستانی فوج کا پہلا سربراہ جنرل فرینک میسروی (Frank Messervy) تھا جو اگست ۱۹۴۷ء سے فروری ۱۹۴۸ء تک اپنے عہدے پر رہا، جبکہ دوسرا سربراہ

ہرل ایس ڈیو گریسی (Douglas David Gracey) تھا جو فروری ۱۹۴۸ء سے جنوری ۱۹۵۱ء تک اس عہدے پر فائز رہا۔^{۲۹} اسی طرح پاکستانی فوج کے نہایت اہم شعبے، ایس ایس جی (پاکائڈ و فوجوں) کی ابتداء بھی ۱۹۵۰ میں کوئٹہ کے 'Close Quarter Battle School' میں ایک طرزی افسر کرنل گرانٹ ٹیلر کے ہاتھوں ہوئی۔^{۳۰} نیز فوجیوں کی تربیت کے لئے بھی انگریز کا بنایا ہوا رائل انڈین آرمی سروس کور سکول، کاکول، بدستور استعمال ہوتا رہا، البتہ اس کا نام بدل کر اسے 'پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول' کہا جانے لگا۔ اعلیٰ افسران کی تربیت بھی برطانوی تربیتی ادارے 'کیمبرلی' کے طرز پر بنائے گئے، 'سٹاف کالج کوئٹہ' میں جاری رہی۔ اس کالج کی بنیاد لارڈ کچنر نے قبل از تقسیم ہند اہل قومی اور تقسیم کے بعد بھی ۱۹۵۴ء تک اس کی کمان برطانوی افسروں کے ہاتھ میں رہی۔ اسی طرح توپ خانے کی تربیت کے لئے نوشہرہ میں جو 'آرٹلری سکول' قائم کیا گیا، اس کے اساتذہ کی تربیت بھی ۱۹۵۲ء تک برطانیہ میں ہوتی رہی اور اس کے بعد وہ تربیت کے لئے امریکہ کے فوجی مرکز فورٹ سل، اوکلاہوما جانے لگے۔^{۳۱}

یہاں یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ پہلے دو انگریز فوجی قائدین کے جانے کے بعد بھی جن لوگوں نے اس فوج کی قیادت سنبھالی وہ اسی نسل سے تعلق رکھتے تھے جو براہ راست انگریز افسروں سے انہی کی اکیڈمیوں میں تربیت پانچکی تھی اور مختلف جنگوں میں انگریزوں سے وفاداری کا عملی ثبوت بھی دے چکی تھی۔ چنانچہ جنرل گریسی کے بعد فوج کی قیادت سنبھالنے والا پہلا پاکستانی جرنیل فیلڈ مارشل ایوب خان علی گڑھ سے پڑھنے کے بعد برطانیہ میں واقع مشہور فوجی اکیڈمی 'راسل ملٹری کالج سینڈ ہرسٹ' (Royal Military College Sandhurst) میں داخل ہوا تھا۔ سینڈ ہرسٹ کی فوجی اکیڈمی میں کسی ہندوستانی کو داخلہ ملنا آسان کام نہیں تھا۔ سٹیفن کوہن اسی بات کو واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

^{۲۹} پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم، از سٹیفن لی کوہن، ص ۳۱ نیز دیکھئے: کو بی بی، عنوان: پاکستان آرمی

^{۳۰} Taken from an Introductory & Propaganda video on SSG, produced by ISPR.

^{۳۱} پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم، از سٹیفن لی کوہن، ص ۷۷ تا ۸۸

”انگریز سینڈ ہرسٹ بھیجے جانے والے افراد کا بے حد احتیاط سے چناؤ کرتے تھے اور وفادار ترین، معزز ترین اور سب سے زیادہ مغربی رنگ میں رنگے ہوئے ہندوستانی خاندانوں سے انتخاب کرتے تھے۔ پھر ان (خاندانوں) میں سے بھی، خصوصاً مسلمانوں میں سے، وہ ان وائسرائے کیشنڈ افسروں (وی سی اوز) کے بیٹوں کو شامل کرنے کی کوشش کرتے تھے جنہوں نے کوئی نمایاں کارکردگی دکھائی ہو۔“^{۳۳}

شاہی ہندی فوج میں شمولیت کے بعد ایوب خان نے جنگِ عظیم دوم میں بھی اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے اور برما کے علاقے میاٹمار میں تعینات رہا۔ ایوب کے بعد جنرل موسیٰ خان نے فوج کی قیادت سنبھالی۔ موسیٰ کا باپ افغانی تھا جو ترقی کر تا کرتا ’سینئر وی سی او‘ کے عہدے تک پہنچ گیا تھا۔ باپ کی وفاداری کے صلے میں موسیٰ کو بھی ’رائل ملٹری کالج سینڈ ہرسٹ‘ کے لئے چن لیا گیا، لیکن بعد میں بعض مسائل کی وجہ سے وہ وہاں نہ جاسکا اور اس نے شمالی ہندوستان میں واقع ایک اور برطانوی ادارے ’انڈین ملٹری اکیڈمی دہرہ دون‘ سے تربیت حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء میں موسیٰ نے بطور پکٹان وزیرستان میں مجاہدین کے خلاف فوجی آپریشن میں شرکت کی۔ آج بھی شمالی وزیرستان کے علاقے ’بویا‘ کی پہاڑیوں پر واقع ایک فوجی چوکی کے ساتھ موسیٰ خان کا نام جلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔ موسیٰ کے بعد ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۱ء تک جنرل بیگی خان نے فوج کی قیادت سنبھالی۔ اس نے بھی ’انڈین ملٹری اکیڈمی دہرہ دون‘ سے تربیت حاصل کی اور جنگِ عظیم دوم کے دوران اٹلی اور مشرق وسطیٰ میں تعینات رہا۔ جنرل ضیاء الحق، جو ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۸ء تک اس ملک کے سیاہ و سپید کا مالک رہا، بھی براہِ راست برطانوی افسروں سے تربیت یافتہ تھا۔ ضیاء نے ابتدائی فوجی تربیت دہرہ دون سے حاصل کی اور دوسری جنگِ عظیم کے اواخر میں جنوب مشرقی ایشیاء میں برطانوی کمان تلے اپنی صلاحیتوں کا جوہر دکھایا۔ اس کے بعد اعلیٰ تربیت کے لئے اس نے ”امریکی کمانڈ اینڈ جنرل سٹاف کالج فورٹ لیون ورٹھ، کینٹس“^{۳۴} (امریکہ) کا رخ کیا۔ ۶۰ء کی دہائی کے اواخر میں ضیاء کو اردنی فوج کی تربیت پر مامور کیا گیا۔ ۱۹۷۰ء میں جب اردنی فوج نے اردن میں پناہ لینے والے فلسطینی مجاہدین کے خلاف فوجی آپریشن

^{۳۳} پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم، از سٹیپن پی کوہن، ص ۷۷

^{۳۴} (US Army Command & General Staff College Fort Leaven worth, Kansas)

۱۹۷۱ء کا تو یہی ضیاء الحق تھا جس نے بطور ریگنڈیز اردن کی ’دوسری فوجی ڈویژن‘ کی کمان سنبھالی اور وہاں فلسطینی مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ فلسطینی ذرائع کے مطابق اس کا رروائی کے دوران ۲۵،۰۰۰ کے قریب بے گناہ فلسطینی مسلمان شہید کیے گئے۔ برطانوی اکیڈمیوں میں تربیت پانے والی اس نسل کا امریکی افسر جنرل آصف نواز جنجوعہ تھا۔ جنرل آصف نواز ۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۳ء کے دوران پاکستانی فوج کی لونگ کا سربراہ رہا۔ اس نے ابتدائی تعلیم راولپنڈی میں واقع سینٹ میری مشنری سکول سے حاصل کی اور ایک موقع پر خود اس بات کا اظہار کیا کہ اس کی پرورش میں سب سے اہم کردار، سکول کے دو برہمن اساتذہ، پادری برنزا اور میڈم سے فلٹیننگ کا تھا۔ آصف نواز نے بھی ابتدائی فوجی تربیت برطانیہ کے علاقے سینڈ ہرسٹ میں واقع فوجی اکیڈمی سے حاصل کی تھی۔^{۳۵} گویا پانچ سال، برطانوی افسروں کی زیر کمان رہنے کے بعد تقریباً ۳۴ سال یہ فوج برطانیہ کے منتخب کردہ اور برطانویوں سے تربیت یافتہ افسروں کے ہاتھ میں رہی۔ چنانچہ وہی فوجی طبقہ جس کی مدد سے برطانیہ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک صدی سے زائد عرصہ غلام بنائے رکھا اور جس کے بل پر ہندوستان میں جڑ پکڑنے والی ہر جہادی تحریک کو کچلا گیا، ’آزادی‘ کے بعد بس وہی بد بخت طبقہ آزاد ہوا، جبکہ باقی سب مسلمان، خصوصاً علماء و مجاہدین، ان غداروں کی غلامی تلے رہنے پر مجبور ہوئے۔ تحریک مجاہدین کے سر فروش تو پاکستان بننے کے بعد بھی ’دشمن‘ ہی سمجھے جاتے رہے اور اس فوج نے ان کا تعاقب اسی طرح جاری رکھا جیسے وہ قبل از قیام پاکستان کیا کرتی تھی۔ ایک طرف قبائلی علاقہ جات میں اپنی فقیر رحمہ اللہ اور دیگر جہادی قائدین کا چھپا کیا گیا اور ان کے اجتماعات پر بمباری کی گئی، تو دوسری طرف پاکستان کے شہری علاقوں میں بھی تحریک سے منسلک افراد کا تعاقب جاری رہا۔ ڈاکٹر صادق حسین اسی نکتے کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جو مجاہدین پاکستان واپس آ گئے، وہ یا تو عسرت کی زندگی بسر کرتے ہوئے ولولہ جہاد کی سرگزشتوں کو سینوں میں دبائے ہوئے رائی، ملکِ عدم ہوئے، یا حکومت پاکستان کی پولیس کی نگرانی

^{۳۵} پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم، از سٹیپن پی کوہن، ص ۷۷۔ نیز دیکھئے: انسا ئیکلو پیڈیا بریٹانیکا سافٹ ویئر ۱۱۰ اور ویکی پیڈیا، عنوانات: جنرل موسیٰ خان، جنرل ضیاء الحق، جنرل آصف نواز، اردن میں سیاہ تحریک۔

یہ کس کی فوج ہے؟ ————— مدیر کے قلم سے

میں زندگی کے ایام گزارتے رہے۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ وہ انگریزی حکومت سے برسرِ جنگ رہتے تھے، اس لئے اب بھی دشمن ہی سمجھے جاتے تھے۔“ ۳۵

پس چونکہ قیام پاکستان کے بعد بھی اس فوج کا نصاب تربیت تبدیل نہیں کیا گیا، لہذا فوج میں ’دوست‘ اور ’دشمن‘ کی تعریف بھی بنیادی طور پر وہی رہی جو اسے برطانیہ نے قبل از قیام پاکستان سکھائی تھی۔

پاکستانی فوج کی اٹھان میں امریکہ کا کردار ۳۶

انگریزوں سے براہِ راست فیض یافتہ اس نسل کے زیرِ سایہ ایک اور فوجی نسل پروان چڑھ رہی تھی۔ اس نسل کی تربیت میں دو عناصر اپنی گہری چھاپ چھوڑ رہے تھے۔ ایک طرف تو پہلی نسل کے فوجی افسران وہ سارے علوم و فیوض ان تک منتقل کر رہے تھے جو انہیں برطانوی افسروں سے ورثے میں ملے تھے۔ جبکہ دوسری طرف پاکستان کی فوجی و سیاسی قیادت امریکہ سے ٹینگیں بڑھانے میں مصروف تھی۔ امریکہ نے برطانیہ کے بطن ہی سے جنم لیا تھا اس لئے وہ پاکستانی فوج کی قبل از قیام پاکستان تاریخ اور پاکستانی فوج کی ممکنہ افادیت سے بخوبی واقف تھا۔ اسی لئے امریکہ نے پاکستان کو اپنے اتحادیوں میں شامل کرتے زیادہ دیر نہیں لگائی۔ ۱۹۵۳ء میں پاکستان نے امریکہ کے ساتھ ’باہمی دفاعی تعاون کے معاہدے‘ پر دستخط کیے جس کے بعد پاکستان کو امریکی امداد ملنے لگی۔ اس کے بعد ۱۹۵۵ء میں پاکستان نے سیٹھ اور سینو میں شمولیت اختیار کر کے خود کو واضح طور پر امریکہ کے اہم ترین اتحادیوں میں شامل کر لیا۔ ۵۰ء کی دہائی کے آغاز سے سن ۷۰ء تک پاکستان امریکہ کا چھینا اتحادی رہا اور امریکہ نے پاکستانی فوج کی تربیت پر بہت باریک بینی سے توجہ دی۔ پاکستانی فوج نے امریکی فوج کی تنظیمی ساخت سامنے رکھتے ہوئے اپنی فوج کو از سر نو منظم کیا۔ فوج میں کئی ایسی ڈویژنوں کا اضافہ ہوا جو مکمل طور پر امریکی اسلحے سے لیس اور امریکہ کی تربیت یافتہ تھیں۔ پاکستان کے بہت سے اعلیٰ افسران تربیت حاصل کرنے امریکہ گئے۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۵۸ء کے درمیان (یعنی محض تین سال کے عرصے میں) صرف

۳۵ سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین، از ڈاکٹر صادق حسین، ص ۶۹

۳۶ پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم، از سٹیفن بی کوہن، ص ۶۵ سے ص ۷۲

کس کی فوج ہے؟ ————— مدیر کے قلم سے

توپ خانے کے شعبے سے ہی ۲۰۰ افسر امریکہ گئے۔ نیز امریکی افسران خود بھی پاکستان آ کر فوج کی تربیتی اکیڈمیوں میں پڑھاتے رہے اور انہوں نے ان اکیڈمیوں کے نصاب میں بھی بہت سی اہم تبدیلیاں کیں۔ اس سب کے ساتھ ساتھ پاکستانی افسران کو تربیت حاصل کرنے کے لئے برطانیہ اور دولت مشترکہ کے دیگر ممالک بھی بھیجا جاتا رہا۔ نتیجے میں ایک ایسی نسل وجود میں آئی جو اصلاً برطانوی تاریخ و مزاج کی حامل تھی، لیکن اس پر گہری امریکی چھاپ بھی موجود تھی۔ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے سٹیفن کوہن لکھتا ہے:

”امریکی فوجی ماہرین اسٹاف کالج کو سیک تک کے دورے وقتاً فوقتاً کرتے رہے، جو کہ پاکستان کا سب سے پرانا فوجی ادارہ ہے اور آج تک برطانوی خواص کا حامل ہے۔ یوں اس کالج کی تعلیم و تربیت میں امریکیوں کا اہم حصہ ہے۔ کالج کی اپنی مرتب کردہ تاریخ میں بتایا گیا ہے کہ ۱۹۵۷ء میں امریکہ کی ایک جوہری جنگ کی ماہر ٹیم کا دورہ انتہائی سودمند ثابت ہوا اور پرانے نصاب میں ترمیم و نظر ثانی پر منتج ہوا۔“

اسی طرح ۱۹۵۶ء میں ’ایس۔ ایس۔ جی‘ کا رسمی قیام بھی امریکی خصوصی دستوں (Special Ops. Force) کی مدد سے عمل میں آیا، اور امریکی خصوصی دستوں ہی کی طرز پر ایس ایس جی کو پروان چڑھایا گیا۔

۱۹۷۱ء کے بعد امریکہ کی توجہ دیت نام کی طرف پھر گئی اور پاکستان بھی وقتی طور پر اس کے اتحادیوں کی صف سے نکل گیا، لیکن ۸۰ء کی دہائی کا آغاز ہوتے ہی امریکہ کو ایک بار پھر روسی خطرے سے نمٹنے کے لئے پاکستان کی ضرورت پڑی اور پاکستان بھی فوجی و غیر فوجی امداد کے دروازے کھلتے دیکھ کر خوشی خوشی امریکہ کا فرنٹ لائن اتحادی بننے پر تیار ہو گیا۔ یوں پاکستانی فوج کو ایک بار پھر امریکی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ افغانستان سے روس کے انخلاء کے بعد یہ سلسلہ پھر عارضی طور پر کمزور پڑا، لیکن گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات کے بعد پاکستان دوبارہ امریکہ کا فرنٹ لائن اتحادی بن گیا اور اس کی یہ حیثیت تاحال برقرار ہے۔ اس پورے عرصے میں افسروں کی جو دوسری نسل تیار ہوئی، وہ برطانیہ کے ساتھ ساتھ اپنے نئے آقا امریکہ کی بھی وفادار تھی، بلکہ کئی اعتبار سے امریکہ کے زیادہ قریب تھی۔ پرویز مشرف کا تعلق اسی نسل سے ہے۔ وہ امریکی اثرات کے حامل ’سٹاف کالج کوئٹہ‘

یہ کس کی فوج ہے؟ ————— مدیر کے قلم سے

سے پڑھنے کے بعد برطانیہ کے 'رائل کالج آف ڈیفنس سٹڈیز، لندن' سے پڑھا^{۳۸} اور ۱۹۹۸ء میں پاکستان فوج کا سربراہ بن کر نو سال امریکی مفادات کی خدمت کرنے میں مصروف رہا۔

پاکستان فوج کی اٹھان میں اسلام کا کردار

ایک بات تو بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ پاکستانی فوج کے نظریات و عقائد کی تشکیل میں اسلام کا سرے سے کوئی کردار نہیں رہا۔ ہاں، الہیہ قیام پاکستان کے بعد اتنی تبدیلی ضرور آئی ہے کہ فوج نے اپنے سپاہیوں اور افسروں کے جذبات ابھارنے اور انہیں لڑ مارنے کا جذبہ دینے کے لئے اسلام کو نہایت ہوشیاری سے استعمال کیا ہے۔ فوج کے نظریات کو اسلامی رنگ دینے کی کوششیں زیادہ تر ضیاء دور میں ہوئی ہیں، جس کے نمونے پروفیسر کرمل عبدالقیوم کی تصنیف: 'On Striving to be a Muslim' اور بریگیڈیئر ایس کے ملک کی تصنیف 'The Quranic Concept of War' کی صورت میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ اور ایسی دیگر تحریرات تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم دینیہ پر گہری گرفت رکھنے والے علماء نے نہیں لکھیں، بلکہ خود فوج ہی کے افسران نے لکھی ہیں۔ حسن ظن نے کام لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ شاید یہ کسی انفرادی فوجی کی نیک نیتی پر مبنی کوشش ہو۔ لیکن عملی حقیقت یہ ہے کہ یہ کتب اور اس سے مشابہ تمام کاوشیں فوج کے اساسی نظریات و عقائد اور اس کے طور طریقوں میں کسی قسم کی جوہری تبدیلی لائے بغیر ہی ایک فوجی کو یہ یاد کرادیتی ہیں کہ وہ جہاد جیسی اعلیٰ عبادت میں مصروف ہے، اس پر اس کے افسر کے ہر حکم کی اطاعت کرنا واجب ہے اور اگر وہ مارا جائے تو وہ شہادت کے اعلیٰ رتبے پر فائز ہو گا۔ رہی یہ بات کہ اسلام میں جہاد کی تعریف کیا ہے؟ وطن کی خاطر لڑنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ جہاد کے شرعی مقاصد کیا ہوتے ہیں؟ ایک مسلمان کا دوست کون ہوتا ہے اور دشمن کون؟ اطاعتِ امیر کی حدود کیا ہیں اور کن حالتوں میں امیر کا حکم ماننا جائز نہیں رہتا؟ شہید کی شرعی تعریف کیا ہے؟ شہادت کی قبولیت کی کیا شرائط ہیں؟ شریعت نے جنگ کے کیا آداب و ضوابط مقرر کئے ہیں؟..... ان سب سوالات کو اٹھانے اور ان کا درست شرعی جواب دینے سے مکمل گریز کیا جاتا ہے۔ مثلاً، یہ بات پورے دعوے سے کہی جاسکتی ہے کہ پاکستانی فوج کا کوئی افسر و

یہ کس کی فوج ہے؟ ————— مدیر کے قلم سے

ان یہ بات نہیں جانتا کہ جہاد کا بنیادی مقصد 'اعلائے کلمۃ اللہ' ہوتا ہے، یعنی یہ کہ توحید کا کلمہ بلند کیا جائے، شرک کا خاتمہ کیا جائے، شریعت نافذ کی جائے اور کافروں کے غلبے و بالادستی کو مٹا ڈالا جائے۔ انہی بنیادی شرعی مقاصد سے جہالت کا نتیجہ ہے کہ پاکستانی فوج کے افسران کبھی بنگال کے مسلمانوں کو ذبح کرتے ہوئے احد و بدر کی مثالیں دیتے نظر آتے ہیں، تو کبھی عرب مجاہدین کا لبو بہانے والے سپاہیوں کو مجاہد گردانتے دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ اے کے سانچے کے دوران جنرل نکا خان نے مشرقی پاکستان گیر یزن سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

”جہاد اور اسلام سے وابستگی کی بنا پر ہی منشی بھر مسلمانوں نے مضبوط ترین مخالفین کو شکست سے دو چار کیا۔ بدر، احد، خیبر اور دمشق کی جنگیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ مسلمان کیا کر سکتے ہیں“^{۳۹} اسی طرح، ۲۰۰۳ء میں وانا (وزیرستان) میں عرب و عجم کے مہاجر مجاہدین کے خلاف لڑائی میں مصروف فوجیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بریگیڈیئر شک نے کہا:

”اصل مجاہد میرے لڑکے ہیں، اصل مجاہد تم لوگ ہو“^{۴۰}

لہذا یہ بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ فوج آج بھی اپنے بنیادی نظریات اور فکر و فلسفے کے اعتبار سے سینڈ ہرسٹ اور دہرہ دون کی فوجی اکیڈمیوں سے تربیت یافتہ وہی شاہی ہندی فوج ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اب اس کے اسلامی جذبے کی تسکین کے لئے اس کی پیرکوں کو 'ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ' جیسے اسلامی نعروں سے مزین کر دیا گیا ہے، حالانکہ یہ آج بھی ان تینوں چیزوں سے اتنی ہی دور ہے جتنی ۱۸۵۷ء میں تھی۔ بلکہ یہ بات تو اور بھی زیادہ خطرناک ہے کہ اب انہی کفریہ مقاصد کے حصول کے لئے یہ فوج دینی جذبے سے لڑ رہی ہے!

فوج کے اصل نظریے کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے سٹیفن کوہن صراحت سے لکھتا ہے:

”آزادی حاصل کرنے والی تمام مسلمان مملکتوں کو مغربی تربیت یافتہ افواج ورثے میں ملیں..... چنانچہ (یہ افواج) کلازوت، لڈل ہارٹ اور شیلنگ کے نظریات ترک کرنے سے ہچکچاتی ہیں۔ پاکستان آرمی کے بیشتر افسران بھی ان نظریات کو ترک نہیں کریں گے۔“^{۴۱}

^{۳۸} پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم، از سٹیفن پی کوہن، ص ۹۳

^{۳۹} پاکستان آرمی، تاریخ و تنظیم، از سٹیفن پی کوہن، ص ۱۰۷

۱۹۷۱ء کی جنگ میں پاکستانی فوج کا کردار

۱۹۷۱ء کی جنگ نے پاکستانی فوج کی تاریخ میں ایک اور سیاہ باب کا اضافہ کیا۔ اس جنگ میں روٹا ہونے والے تکیف وہ واقعات اس بات کی تین دلیل تھے کہ قیام پاکستان کے چوبیس سال گزر جانے کے بعد بھی فوج کی ذہنیت ذرہ برابر نہیں بدلی تھی۔ انگریز نے مغربی ہندوستان کے فوجیوں کو پہلی مرتبہ بھی استعمال کیا تھا جب اسے ۱۸۵۷ء میں بنگال سے پھوٹنے والی بغاوت کچلنا تھی۔ ۱۹۷۱ء میں اہل بنگال پر توڑے جانے والے مظالم بھی درحقیقت نفرت و تعصب کے انہی جذبات کا شاخصانہ تھے جو انگریز نے اس فوج کے خمیر میں ۱۸۵۷ء میں ڈال دیئے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد بھی فوج کی قیادت نے اپنا نظام انہی جاہلانہ تعصبات کی روشنی میں چلایا جو انگریز نے اس کے دل و دماغ میں راسخ کیے تھے۔ پاکستانی فوج میں مختلف قومیتوں کا تناسب کم و بیش وہی رہا جو قبل از قیام پاکستان تھا۔ عسکری امور کی تجزیہ نگار عائشہ صدیقہ، قیام پاکستان کے ساٹھ سال بعد، سن ۲۰۰۷ء میں منظر عام پر آنے والی اپنی تحقیق میں یہ انکشاف کرتی ہے کہ پاکستانی فوج میں اب بھی فوجیوں کی غالب اکثریت، (یعنی ۷۱ فیصد) کا تعلق صوبہ پنجاب سے ہے، جبکہ سرحد سے ۱۲ فیصد، آزاد کشمیر سے ۹ فیصد، سندھ سے ۳ فیصد، شمالی علاقہ جات سے ۳ فیصد اور بلوچستان سے ایک سے بھی کم فیصد فوجی تعلق رکھتے ہیں۔ پھر سندھ سے بھرتی کیے جانے والے فوجیوں میں سے بھی اسی فیصد سے زائد کا تعلق کراچی اور حیدر آباد سے ہوتا ہے، جبکہ سندھ کے باقی تمام علاقوں کو نہ ہونے کے برابر نمائندگی ملتی ہے۔^{۳۰} نیز سٹیفن کوہن ۱۹۹۸ء میں منظر عام پر آنے والی اپنی تحقیق میں یہ بات واضح کرتا ہے کہ پاکستانی فوج اب بھی 'جنگجو نسلوں' کے اس خرافاتی فلسفے پر قائم ہے جو انگریز نے ایک صدی سے زائد عرصہ قبل وضع کیا تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک بھرتی کے وقت ۷۵ فیصد فوجی پنجاب و سرحد کے ان پانچ اضلاع سے لئے جاتے ہیں جہاں انگریز کی چندہ جنگجو نسلیں پائی جاتی ہیں۔^{۳۱} پاکستان کی فوجی قیادت اور بیوروکریسی کے اسی متعصبانہ رویے کے سبب بلوچستان، سندھ، سرحد اور

^{۳۰} Military INC., Inside Pakistan's Military Economy, by Ayesha Siddiqi, Pages: 213

۱۹۷۱ء کی جنگ میں علیحدگی پسند تحریکوں نے جنم لیا؛ اور انہی تعصبات کے سبب شرقی پاکستان علیحدہ

شرقی پاکستان کے مسلمانوں سے معاملہ کرتے ہوئے فوج نہ صرف 'جنگجو نسلوں' کے خرافاتی فلسفے پر قائم رہی، بلکہ اس نے بنگالی مسلمانوں کی طرف حقارت سے دیکھنے اور انہیں دبا کر رکھنے کا وہ مکر وہ رویہ بھی اپناتے رکھا جو اسے ۱۸۵۷ء کے بعد اپنے انگریز آقاؤں سے ورثے میں ملا تھا۔ جنگ کے بعد بنگالی مسلمانوں کے خلاف فوج کے مظالم کی جانچ پڑتال اور جنگ میں ناکامی کے ذمہ دار افراد کی نشاندہی کے لئے چیف جسٹس پاکستان جسٹس حمود الرحمن کی سربراہی میں ایک کمیشن ترتیب دیا گیا۔ کمیشن کے ممبران میں سندھ اور بلوچستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس بھی شامل تھے۔ اس کمیشن نے سینکڑوں گواہوں کے بیانات سننے اور اپنی تحقیقات مکمل کرنے کے بعد ایک رپورٹ تیار کی، جو اس فوج کی مکر وہ حرکتوں پر سے پردہ اٹھاتی ہے۔ اگرچہ یہ کمیشن اپنی تحقیقات کو منطقی انجام تک پہنچانے سے قبل خود اپنے متوقع انجام سے دوچار ہو گیا، لیکن اس کی رپورٹ ہر پاکستانی کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔

۱۹۷۱ء میں بھارت کے خلاف فوج کا 'جہاد'^{۳۲}

۱۹۷۱ء کے واقعات نے پاکستانی فوج کی مزعومہ عسکری قابلیت کی قلعی کھول دی۔ بہت سے اعلیٰ افسران کا حال یہ تھا کہ وہ بھارتی فوج کی پیش قدمی کا سنتے ہی اپنے ماتحتوں کو میدان جنگ کے چھوڑ کر غائب ہو جاتے۔ ۸ دسمبر ۱۹۷۱ء کو میجر جنرل رحیم خان چاند پور میں تعینات اپنی ڈویژن کو چھوڑ کر تھرا قرار ہو گیا، حالانکہ ابھی بھارتی فوج کا حملہ شروع بھی نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح نويس ڈویژن کی ۱۰ اویس بریگیڈ کے کمانڈر بریگیڈیئر محمد حیات تک جب یہ خبر پہنچی کہ بھارتی ٹینک جیسور کے دفاعی حصار کو توڑ کر آگے بڑھ رہے ہیں، تو اس نے خبر کی مزید تصدیق کرنے کی بھی زحمت نہ کی اور ۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو جیسور کا قلعہ چھوڑ کر اکیلا فرار ہو گیا۔ یہ دیکھ کر پیچھے رہ جانے والے دیگر افسر و سپاہی بھی بد

۳۲ اس عنوان اور اس سے اگلے عنوان تلے جو معلومات دی گئی ہیں، تقریباً وہ تمام ہی حمود الرحمن کمیشن رپورٹ سے اخذ کی گئی ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے اس رپورٹ کا مطالعہ کر لیا جائے۔

یہ کس کی فوج ہے؟

مدیر کے قلم سے

لشکر کے ساتھ پسپا ہوئے اور نہ صرف یہ اہم قلعہ، بلکہ اس میں موجود اسلحے کا تمام تر ذخیرہ بھی بلا مزاحمت بھارتی فوج کے قبضے میں چلا گیا۔ ۳۹ ویں ڈویژن کی ۵۳ ویں بریگیڈ کا کمانڈر، بریگیڈیئر محمد اسلم نیازی، ۹ دسمبر ۱۹۷۱ء کو کلکشی قلعے میں ۱۲۳ ازخشی فوجیوں اور تمام تر بھاری اسلحے اور ذخائر کو پیچھے چھوڑ کر قلعے سے بھاگ گیا اور یہ سب کچھ بھی بلا کسی مزاحمت بھارتی فوج کے ہاتھ لگا۔ دوسری طرف مغربی پاکستان کے محاذ پر ۱۵ ویں ڈویژن کے کمانڈر میجر جنرل عابد خان نے بلا مزاحمت ضلع سیالکوٹ کے ۹۸ دیہات بھارتی فوج کے قبضے میں جانے دیئے۔ اسی طرح فوج کی پہلی کور کے کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل ارشد احمد خان نے بھی ضلع سیالکوٹ کی تحصیل شکر گڑھ کے پانچ سو (۵۰۰) دیہاتوں پر بھارتی فوج کو بغیر لڑے قبضہ کرنے دیا۔ مشرقی پاکستان میں فوج کے قائد اعلیٰ جنرل اسے کے نیازی کا اپنا حال اس سے بھی بدتر تھا۔ ڈھاکہ میں چھبیس ہزار (۲۶،۰۰۰) فوجیوں پر مشتمل ایک مضبوط دفاعی قوت اور اسلحے و خوراک کے مناسب ذخیرہ موجود تھے، لیکن محض یہ جان کر کہ بھارتی فوج ایک ہفتے بعد ڈھاکہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے، جنرل نیازی کے ہاتھ پاؤں اس بری طرح پھول گئے کہ نہ صرف اس نے بھارتی فوج کے کمانڈر ان چیف کو یہ پیغام بھیج دیا کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر تیار ہے، بلکہ اس پر بھی راضی ہو گیا کہ وہ ایک عوامی مقام پر مکتی باہنی کے کارکنوں اور بھارتی فوجیوں کی موجودگی میں جنرل اروڑا کے سامنے بذات خود ہتھیار ڈالے گا۔ یہی نہیں، بلکہ وہ جنرل اروڑا کا استقبال کرنے خود ایئر پورٹ گیا اور اپنے اے ڈی سی کو حکم دیا کہ پاکستانی فوجی جنرل اروڑا کو سلامی پیش کریں۔ یوں مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی بار ایسا شرمناک موقع آیا کہ خود کو مسلمان کہلانے والے نوے ہزار مسلح فوجیوں نے کافروں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے!

۱۷ء میں بنگالی مسلمانوں کے خلاف فوج کا 'جہاد'

ایک طرف تو پاکستانی فوج نے مشرک کافروں کے مقابلے میں اس شرمناک بزدلی و بے حمیتیت کا مظاہرہ کیا؛ لیکن دوسری طرف پوری جنگ کے دوران یہی بد بخت فوج نہتے بنگالی مسلمانوں پر اپنی پوری قوت کے ساتھ یوں ٹوٹی گویا اس کا اصل 'جہاد' یہی ہو۔ ۲۵ اور ۲۶ دسمبر کی رات کو ڈھاکہ شہر پر بھاری توپخانے سے وحشیانہ بمباری کر کے لاکھوں نہتے شہریوں کو شہید کیا گیا، ستمبر اور اکتوبر کے درمیان دھوم گھٹات کے علاقے میں مقامی لوگوں کو قطار در قطار کھڑا کر کے فائرنگ سکواڈ کے

محظن (۷) (۲۰)

کس کی فوج ہے؟

مدیر کے قلم سے

ارسلے لکل کیا گیا، ۲۸ مارچ ۱۹۷۱ء کو لیفٹیننٹ جنرل یعقوب خان کے حکم پر کو میلا چھاؤنی میں ۱۷ بنگالی افسروں اور ۹۱۵ بنگالی سپاہیوں کو ایک ہی دن میں مار ڈالا گیا، سلاٹانادی کے علاقے میں بھی ۵۰۰ لوگوں کو لکل کیا گیا، نمایاں بنگالی مصنفین، ڈاکٹروں، انجینئروں، پروفیسروں اور سیاست دانوں کو چن چن کر مارا گیا، الغرض اہل بنگال کے خلاف مظالم کی ایک سیاہ داستان رقم کی گئی۔ بنگلادیشی حکومت کا دعویٰ تھا کہ اس پوری جنگ کے دوران فوج نے ۳۰ لاکھ بنگالی قتل کیے، جبکہ جی ایچ کیو نے ۱۹۷۲ء میں خود گنجانے ہزار (۲۶،۰۰۰) بنگالیوں کے قتل تسلیم کئے تھے۔ بنگلادیشی حکومت کا یہ دعویٰ اگرچہ مبالغے پر مبنی لگتا ہے، لیکن اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ مارے جانے والوں کی تعداد لاکھوں میں تھی؛ اور ایسا کیوں نہ ہو، جبکہ حمود الرحمن کمیشن کے سامنے پیش ہونے والے ایک گواہ بریگیڈیئر اقبال الرحمن شریف کے مطابق، پاکستانی فوج کا ایک نہایت اعلیٰ عہدیدار جنرل گل حسن فوجی مراکز کے دوروں کے دوران سپاہیوں سے پوچھا کرتا تھا کہ:

"How many Bengalis have you shot?"

"تم نے کتنے بنگالی مارے ہیں؟"

بنگال میں اس فوج کے جرائم یہیں تک محدود نہ رہے، بلکہ ۱۸۵۷ء کی تاریخ دہراتے ہوئے ان بد بختوں نے بہت سی بنگالی بہنوں کی عصمت دری بھی کی۔ بنگلادیشی حکومت کا دعویٰ تھا کہ کل ۲ لاکھ عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ عصمت دری کے واقعات اتنے عام تھے کہ ہر افسر و سپاہی ان سے واقف تھا اور ایک بہت بڑی تعداد ان میں باقاعدہ ملوث بھی تھی۔ لیفٹیننٹ کرنل عزیز احمد خان نے حمود الرحمن کمیشن کے سامنے گواہی دیتے ہوئے کہا کہ فوجیوں میں یہ جملہ عام تھا کہ:

"When the Commander (Lt. Gen. Niazi) was himself a raper, how could we be stopped?"

"جب ہمارا کمانڈر (جنرل نیازی) خود عورتیں لوٹتا تھا، تو پھر ہمیں کیسے روکا جاسکتا تھا؟"!

اخلاقی اخطا کا حال یہاں تک پہنچ چکا تھا کہ عین جنگ کے دوران بھی فوجی افسران اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے تھے۔ میجر منور خان نے کمیشن کے سامنے گواہی دیتے ہوئے بتایا کہ ۱۱ اور ۱۲ دسمبر کی درمیانی شب جب مقبول پور سیکٹر میں بھارتی فوج کے گولے پاکستانی مورچوں پر گر رہے تھے، عین

محظن (۷) (۲۱)

یہ کس کی فوج ہے؟

اس وقت بھی بریگیڈیئر حیات اللہ کے زیر زمین مورچے میں ایک بدکار عورت اس کے ساتھ موجود تھی۔

اسی طرح بنگالی مسلمانوں کے اموال بھی فوج کی دست برد سے نہ بچ سکے۔ جنرل راجہ فرمان علی کی گواہی کے مطابق جنرل نیازی نے مشرقی پاکستان میں فوج کی کمان سنبھالنے کے فوری بعد کہا کہ:

”میں راشن کی کمی کا ذکر کیوں سن رہا ہوں؟ کیا اس علاقے کے لوگوں کے پاس گائے بکریاں نہیں ہیں؟ یہ دشمن کی سرزمین ہے، جو جی چاہے چھین لو! ہم (دوسری جنگ عظیم کے دوران) برما میں یہی کرتے تھے۔“

جرنیوں کی اسی تحریض کا نتیجہ تھا کہ فوج کے افسر و سپاہی سرچ آپریشنوں کے دوران خوب لوٹ مار کرتے۔ بعض مرتبہ جب ہیرکوں کی تلاشی لی گئی تو (حمود الرحمن کمیشن رپورٹ کے مطابق) وہاں سے ٹی وی، فریج، ایئر کنڈیشنر، ٹائپ رائٹر، سونا، گھڑیاں اور بہت سی دیگر قیمتی اشیاء برآمد ہوئیں۔ ایک موقع پر ۵۷ دیں بریگیڈ کے کمانڈر بریگیڈیئر جہانزیب ارباب، چار کرل سطح کے افسران اور ایک میجر نے ایک مشترکہ منصوبے کے تحت سراج گاج میں واقع میٹشل بینک کے خزانے سے ایک کروڑ پینتیس لاکھ (۱,۳۵۰,۰۰۰) روپے چرائے۔ اس چوری کا راز تب کھلا جب راستے میں یکسی پل پر تعینات ایک ’بے سی او‘ نے اتفاقاً چوری کا مال لے جانے والی گاڑی کی تلاشی لے لی۔ نیز جرنیل خود بھی اس لوٹ مار اور مالی بد عنوانی میں شامل تھے۔ کرل بشیر احمد خان کی گواہی کے مطابق میجر جنرل محمد جمشید کی بیوی ڈھاکہ سے فرار ہوتے ہوئے بہت سی چوری شدہ نقدی مغربی پاکستان لے کر گئی، جبکہ جنرل نیازی تو جنگ کرنے کی بجائے اس پورے عرصے پان کی سگنگ میں مصروف رہا۔ ظاہر ہے کہ جن فوجیوں کے ’اسلاف‘ نے ۱۹۵۷ء میں دہلی کے مسلمانوں کے گھروں سے چار پائیاں تک چرائیں تھیں، اگر ان کے جانشین بھی ایسی خسیس حرکتوں میں ملوث پائے جائیں تو زیادہ حیرت نہیں ہونی چاہیے۔

حاصل کلام

اگرچہ ابھی پاکستانی فوج کی تاریخ کے کئی دیگر سیاہ ابواب کا تذکرہ باقی ہے جو ان شاء اللہ ہم آئندہ کسی موقع پر بیان کریں گے، لیکن جو نکتہ یہاں سمجھانا مقصود تھا، امید ہے کہ وہ اب تک کی تفصیل سے

مدیر کے قلم سے

راجہ اور گیا ہو گا۔ فوج کی تاریخ و نظریات جان لینے کے بعد یقیناً کوئی صاحب فہم شخص ایٹ آباد، ایٹ اسلام آباد اور خروٹ آباد میں فوج کی بہیمانہ حرکات پر حیرت کا اظہار نہیں کرے گا۔ نہ ہی وہ اس پر حیرت کا اظہار کرے گا اگر ہم اسے بتائیں کہ اس فوج نے گزشتہ چار سالوں کے دوران سوات کے گرد ویرستان تک دس بیس نہیں، کئی سو مساجد و مدارس شہید کئے ہیں؛ لاکھوں مسلمانوں کو شہید کر دیا ہے، جیٹ طیاروں اور توپخانے کی بمباری سے ہزار ہا معصوم لوگوں کو قتل کیا ہے، ہزاروں حملوں کے لئے جاسوسی کر کے سینکڑوں مسلمانوں کا لہو بہانے میں براہ راست شرکت کی ہے، امریکی پوری بیسیوں کو جلا ڈالا ہے، بازاروں کو اجاڑا ہے، حق گو علمائے کرام کو برہنہ کر کے ان پر مشابہت دیکھا ہے، شریعت کے نام لیواؤں کو قطاروں میں کھڑا کر کے گولیوں سے بھونکا ہے، چادر و ہار اور اری کی حرمت پامال کر کے مجاہدین کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو اغواء کیا ہے، سوات، بونیر، درہ اور مل اور کئی دیگر علاقوں میں عام آبادی کے گھروں سے غلامان لوٹ کر، ٹوکوں میں بھر بھر کر ساتھ لے کر گئے ہیں، امت کے مجاہد بیٹوں کو گلیوں اور چوکوں میں گھسیٹا ہے، آئی ایس آئی کے قید خانوں میں ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں، حتیٰ کہ ان کو ذہنی اذیت دینے کے لئے اللہ جل شانہ کی شان میں گستاخی تک کرنے سے دریغ نہیں کیا۔

یقیناً ان میں سے کوئی بات بھی قابل حیرت نہیں۔ حیرت تو اس سادہ لوحی پر ہے جس کے سبب اب بھی کوئی صاحب ایمان شخص اس فوج کو ’اپنی فوج‘ سمجھتا ہو اور اب بھی اس سے خیر کی امیدیں لگائے بیٹھا ہو۔ ایک ایسی فوج جسے برطانوی راج اپنا دایاں بازو قرار دیتا ہو، جس نے کبھی دہلی میں علماء و مجاہدین کا خون بہایا ہو تو کبھی سوات و قبائلی علاقہ جات میں، کبھی بنگال میں عزتیں پامال کی ہوں تو کبھی بلوچستان میں، کبھی انگریز کو بغداد فتح کر کے دیا ہو تو کبھی یہود کو فلسطین، کبھی خلافت عثمانیہ گرائی ہو تو کبھی افغانی لمارت..... ایسے بد بختوں کو ’اپنا‘ سمجھنا یا ان سے کسی بھلائی کی امید لگانا چہ معنی دارد؟

یہ فوج تو میری اور آپ کی نہیں، انگریز کے مفادات کی محافظ ہے! انگریزی نظام کی محافظ ہے! انگریزی تہذیب کی محافظ ہے! میرے اور آپ کے دفاع میں لڑنے والے تو وہ گمنام مجاہدین ہیں جو کل تک سید احمد شہید رحمہ اللہ کی قیادت میں لڑتے دکھائی دیتے تھے اور آج ملا محمد عمر اور شیخ اسامہ کی قیادت میں۔ شاہی ہندی فوج اور سید احمد شہید کے جانشینوں کا معرکہ آج بھی جاری ہے..... افغانستان و قبائل کے کوہ و دامن میں، پنجاب کے میدانوں، سندھ کے ساحلوں اور بلوچستان کے ریگستانوں و

یہ کس کی فوج ہے؟ ----- مدیر کے قلم

پہاڑوں میں۔ دہلی و بنگال کے مسلمانوں کا مستقبل بھی اسی معرکے سے وابستہ ہے۔ ضرورت اس امر ہے کہ ہندوستان تاخر اسان، ہر بندہ مومن دوست اور دشمن کو بخوبی پہچان لے، اپنے اور پرائے تمیز کر لے۔۔۔۔۔ اور پھر اس جنگ کو اپنی جنگ سمجھتے ہوئے اللہ کے دوستوں سے دوستی اور اللہ دشمنوں سے دشمنی نبھانے کا حق ادا کرے۔

اللہ ہمیں حق کو پہچاننے اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق دے؛ اور باطل کو پہچاننے اور اس سے کی توفیق دے، آمین!

شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد تنظیم ”قاعدۃ الجہاد“ کے نئے امیر کی نامزدگی

تنظیم القاعدہ کی سرکاری قیادت کا بیان

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (ال عمران: 200)

”اے ایمان والو! تم (باطل پرستوں کے مقابلے میں) صبر کرو، مقابلے کے وقت ثابت قدمی دکھاؤ، مورچوں پر جیسے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“
نبی ﷺ نے فرمایا:

”لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ“
”میری امت کا ایک گروہ تاقیامت حق پر لڑتے ہوئے غالب رہے گا۔“

یقیناً امت مسلمہ اور تنظیم القاعدہ سے منسلک مجاہدین و دیگر مجاہدین کے لیے شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی شہادت ایک بڑا صدمہ تھا، مگر انھوں نے یہ صدمہ اس حال میں برداشت کیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی، اور اس کی طرف سے کیے گئے جزاء و انعام کے وعدوں پر مطمئن ہیں۔ وہ اپنے مولیٰ عز و جل سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ شیخ کے درجات کو بلند فرمائیں، اور انھیں ہماری اور امت مسلمہ کی جانب سے بہترین بدلہ عطا فرمائیں، آمین!

اب چونکہ جہاد نے قیامت تک جاری رہنا ہے۔۔۔ جیسا کہ احادیث نبوی ﷺ میں ہے۔۔۔ اور سوہر حاضر میں اسلامی ممالک پر حملہ آور و قابض کفار، اور شرعی قوانین کو بدل ڈالنے والے مرتد حکام کے خلاف یہ جہاد فرض عین ہو چکا ہے۔۔۔ جیسا کہ علمائے اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے۔۔۔ نیز شہدائے اسلام کے خون اور شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی سیرت کے ساتھ جہاد وفاداری کا بھی تقاضا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ اور مسلمانوں، کمزوروں کی نصرت کی راہ پر گامزن جائے، لہذا (ان تمام باتوں کے پیش نظر) تنظیم القاعدہ کی عمومی قیادت نے۔۔۔ باقاعدہ مشاورت کے بعد تنظیم کا نیا امیر شیخ ابو محمد ایمن الظواہری حفظہ اللہ کو مقرر کرنے کا اعلان کیا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کو امارت کی ذمہ داری بطریق احسن نبھانے کی توفیق فرمائیں، اور آپ کو، ہمیں اور تمام مسلمانوں کو شریعت کے تمام احکامات پر عمل پیرا رہنے اور حق ایسی استقامت کا مظاہرہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں جو اللہ عزوجل کو راضی کر دے، آمین۔

اصولوں کی پاسداری کا عزم نو

موقع کی مناسبت سے القاعدہ کی عمومی قیادت آج (امت مسلمہ کے سامنے اپنے منہج کا اعادہ کر رہی ہے، اور) درج ذیل بنیادی اصولوں کی پاسداری کا عزم نو کرتی ہے:

۱۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل و احسان سے تنظیم قاعدۃ الجہاد ہر دم کتاب و سنت پر عمل کرتی ہے اور آئندہ بھی کرتی رہے گی، اور اسی کی جانب دعوت دیتی رہے گی۔ ہم رسول اللہ ﷺ، آپ کے پاکباز صحابہ کرام اور آپ کے پاکباز اہل بیت (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے منہج کی پیروی کرتے ہیں۔ ہم تابعین و تبع تابعین، اور ان کا راستہ اختیار کرنے والوں اور علم و عمل میں ان کے نقش قدم پر چلنے والوں مثلاً احمد اربعہ، احمد فقہ و حدیث کے اجماع کی پیروی کرتے ہیں۔۔۔ یہ وہ احمد کرام تھے جنہیں امت کے ہاں شرف قبولیت حاصل ہوا، امت نے ان کے حق میں خیر کی شہادت دی اور نسل در نسل ان کے لیے خیر کی دعا کرتی ہے۔ ہم ان کے اجماع کی پیروی کرتے ہیں اور ان کے اقوال سے

اور ان کے منہج، اور ہم کو شش کرتے ہیں کہ ہم اتباع کرنے والے ہوں، ابتداء (دین میں نئی ایجاد) کرنے والے نہ ہوں اور اقتداء کرنے والے ہوں، نہ کہ اختراعات گھڑنے والے۔

۲۔ ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق اور مدد سے دین حق کی جانب دعوت دیتے ہیں اور امت مسلمہ کو امداد (یعنی جہاد کی تیاری) اور قتال کی طرف ترغیب دلاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم عملی طور پر جہاد کے فریضے کو ادا کرتے ہیں اور مسلم علاقوں پر حملہ آور کفار۔۔۔ جن کا سربراہ امریکہ اور اس کا پروردہ اسرائیل ہے۔۔۔ اور ان کی معادنت کرنے والے، شریعت اسلامیہ کو پس پشت ڈالنے والے حکمرانوں کے خلاف لڑتے ہیں اور اپنی تمام تر طاقت و صلاحیت صرف کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم امت مسلمہ کو بھی تحریض دیتے ہیں کہ وہ ان کے خلاف جان و مال اور ہر ممکن طریقے سے جہاد کریں، یہاں تک کہ تمام حملہ آور فوجیں مسلم سرزمینوں سے بھاگ کھڑی ہوں اور وہاں شریعت اسلامیہ کی راسخ قیامت قائم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِذُوا فِيكُمْ غِلظَةً
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾ (التوبة: ۲۴)

”اے ایمان والو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب رہتے ہیں، اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں، اور جان رکھو کہ اللہ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔“

۳۔ ہم ہر اس شخص کے لیے اپنی تائید و حمایت اور نصرت کی یقین دہانی کراتے ہیں جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے شرعی بصیرت کے ساتھ جہاد کر رہا ہو اور مسلم علاقوں میں سے کسی بھی علاقے میں اسلام اور مسلمانوں کے حقوق کا دفاع کر رہا ہو۔ تنظیم قاعدۃ الجہاد، کسی خاص علاقے سے منسوب نہیں ہے اور نہ ہی کسی قومیت سے مخصوص اور اس تک محدود ہے، بلکہ تمام مسلم سرزمینیں اس سے منسلک مجاہدین کا وطن ہیں اور تمام مسلمان ان کے بھائی ہیں، اور ان کے باہمی تعلق کی بنیاد رشتہ ایمان ہے۔ ہمارے نزدیک تقویٰ اور عمل صالح کے معیار کے سوا، کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔

چنانچہ ہم فلسطین عزیز میں اپنے مسلمانوں کو اسی بات کی یقین دہانی کراتے ہیں جس کی یقین دہانی انھیں شیخ اسامہ رحمہ اللہ نے کرائی تھی، کہ: ”ہم فلسطین میں اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں: بے شک تمہارے بیٹوں کا خون ہمارے بیٹوں کا خون ہے، اور تمہارا خون ہمارا خون ہے۔ پس خون کا بدلہ خون ہے اور شکست کا بدلہ شکست ہے۔ اللہ کی قسم! ہم تمہیں ہر گز جہانہ چھوڑیں گے، یہاں تک کہ کامیابی حاصل ہو جائے یا پھر ہم بھی اسی چیز کا ذائقہ چکھ لیں جس کا ذائقہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے چکھا تھا۔“

ہم انھیں یہ یقین دہانی بھی کراتے ہیں کہ ہم فلسطین کے رباط و جہاد سے ذرہ بھر دستبردار نہ ہوں گے، اور نہ ہی اسرائیل کی خود ساختہ ریاست کے کسی قانون کو تسلیم کریں گے، چاہے زمین پہ بسنے والے سب ہی لوگ اہل پر متحد و متفق ہو جائیں۔ ہم کسی بھی ایسے متفقہ اعلامیے یا قرارداد و معاہدے کو نہ قبول کریں گے اور نہ اس کی پابندی کریں گے جو اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرتا ہو یا بالشت بھر فلسطین بھی مسلمانوں سے چھینتا ہو، خواہ ایسا اعلامیہ اقوام متحدہ کی جانب سے پیش کیا جائے۔ جسے چلانے والے خود مجرموں کے سردار ہیں، یا اس کے علاوہ دیگر تنظیموں اور اداروں کی جانب سے پیش کیا جائے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے ہاتھ اور زبان کے ذریعے جہاد جاری رکھیں گے، اور موساد و سی آئی اے کے ساتھ تعاون کرنے والے خائنین امت کی خیانتوں کا پردہ چاک کر دیں گے جو فلسطین میں مسلمانوں کے حقوق سے دستبرداری اختیار کرتے ہیں۔ ہم اپنا سب کچھ خرچ کریں گے یہاں تک کہ فلسطین پورا کا پورا آزاد ہو جائے، اس پر اسلام کا پرچم لہرانے لگے اور اس میں اسلامی قوانین کی بالادستی قائم ہو جائے۔ جس طرح ہم سے پہلے اسے صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ اور ان جیسے دیگر بہادران اسلام نے آزاد کر لیا تھا۔

ہم افغانستان میں بسنے والے اپنے بھائیوں کے سامنے بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ ہیں اور ہم امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ کی زیر قیادت امریکی صلیبی قبضے سے اس پاک سرزمین کے ایک ایک چپے کو چھڑوانے کے لیے اپنی جانوں اور سب سامان کے ساتھ حاضر ہیں۔

اسی طرح ہم سرزمین خلافت و علم، عراق، ارضِ ہجرت و شریعت، صومالیہ، بقلعہ ایمان و حکمت، جزیرہ عرب، خطہ نصرت و رباط، مغربِ اسلامی، اور صبر و استقامت کے چھینچیا میں بسنے والے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ:

ہم اپنے عہد پر قائم ہیں اور اس راستے میں ہم آپ کے ہمراہ اس طرح گامزن ہیں کہ ہم ایک مضبوط سیدہ پلائی ہوئی دیوار، متحد کلمے اور آپس میں جڑے ہوئے دلوں کی مانند ایک پرچم تلے اکٹھے ہیں۔ ہم ایک ہی دشمن کے مد مقابل کھڑے ہیں، چاہے اس کی اشکال اور نام مختلف ہیں۔

پس ہم نہ بزدلی کا مظاہرہ کریں گے، نہ تردد کا شکار ہوں گے اور نہ ہی پیٹھ پھیریں گے، بلکہ ہم پوٹ لگائیں گے اور کھائیں گے، غالب ہوں گے اور مغلوب ہوں گے، اور انجام کار تو متقین ہی کے حق میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَالَ مُوسَىٰ يَقَوْمُ اسْتَعِينُوا بِٱللّٰهِ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ ٱلْأَكْثَرَ بَلَّوْا بِمَا مِّنْ يَّشَاءُ مِّنْ عِبَادَةِ ٱلْعَٰلَمِينَ ۝﴾ (الأعراف: ۱۲۸)

”موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، اور آخری انجام پر ہیزار گاروں ہی کے حق میں ہوتا ہے۔“

۳۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ ٱللّٰهِ وَٱلْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَٱلنِّسَاءِ وَٱلْوِلْدَانِ ٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ ٱلْقَرْيَةِ ٱلظَّالِمَةُ أَهْلَهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِن لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۖ وَاجْعَلْ لَّنَا مِن لَّدُنْكَ نَصِيرًا ۝﴾ (النساء: ۷۵)

”(اے مسلمانو!) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کے لیے نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال دے

جس کے باشندے ظالم ہیں، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کر دیجیے، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار کھڑا کر دیجیے۔“

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”فكفوا العاني“

”قیدی کو چھڑاؤ۔“

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمان قیدیوں کو چھڑوانے میں ہماری مدد فرمائیں، جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی نصرت کی خاطر ہر قسم کی تکالیف برداشت کیں، صبر کیا اور قربانیاں پیش کیں۔ ہم اپنے ان اسیر بھائیوں کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم انہیں نہ بھولے ہیں اور نہ ہرگز کبھی بھولیں گے، ان شاء اللہ۔

ہم حق کا پرچار کرنے والے مجاہد بزرگ شیخ عمر عبدالرحمن کو نہیں بھولے۔ ہم گوانتانامو، بگرام، ابو غریب، امریکہ کی خفیہ اور ظاہری جیلوں اور اسلامی ممالک میں امریکی غلاموں کی قائم کردہ گوانتانامو جیسی جیلوں میں قید اپنے مسلمان بھائیوں کو ہرگز نہیں بھولے۔

﴿وَمَا تَقْتُلُوا وَيُتْلٰهُمُ اِلَّا اَنْ يُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ (البروج: ۹)

”اور وہ ان (مسلمانوں) سے صرف اس ایک بات کا بدلہ لے رہے ہیں کہ وہ عزت اور حمد

والے اللہ پر ایمان لے آئے ہیں۔“

۵۔ ہم مصر، تونس، لیبیا، یمن اور مغرب اسلامی میں اپنی مظلوم و مقہور مسلم عوام کی تحریکوں کی تائید کرتے ہیں جو انہوں نے ظالم و مفسد طاغوتی حکمرانوں کے مد مقابل کھڑی کی ہیں، جبکہ ان طاغوت نے عرصہ دراز تک ہماری امت کو بدترین عذاب سے دوچار کیا ہے۔

ہم نہ صرف ان تحریکوں کی تائید کرتے ہیں بلکہ انہیں سہارا بھی دیں گے۔ اور ہم انہیں اور دیگر مسلم عوام کو بھی ترغیب دیتے ہیں کہ وہ تحریک جاری رکھیں اور استقامت کے ساتھ ڈٹے رہیں یہاں

تک کہ وہ تمام ظالم و فاسد نظام تباہ ہو جائیں جنہیں امریکہ نے ہمارے سروں پر مسلط کر رکھا ہے اور ان کے ذریعے وہ اپنے عزائم کی تکمیل کا کام لے رہا ہے۔

ہم انہیں ترغیب دیتے ہیں کہ وہ تحریک جاری رکھیں یہاں تک کہ حقیقی اور مکمل تبدیلی حاصل ہو جائے، اور امت مسلمہ اپنے رب کی نازل کردہ شریعت کی جانب پلٹ آئے جسے قابض استعمار نے (مسلم علاقوں میں) بالادست ہونے سے روک رکھا ہے۔ پس عوام المسلمین کو چاہیے کہ وہ اس وقت تک گمراہوں کو نہ لوٹیں جب تک کہ مسلمانوں کے سروں پر صرف اور صرف شریعت اسلامیہ کی حاکمیت قائم نہ ہو جائے، جہاں دنیا کے قوانین کو نہ کوئی دخل ہو اور نہ وہ اثر انداز ہوں، اور دین تمام کا دین اللہ ہی کے لیے خالص ہو جائے۔

اور یہ تبدیلی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ امت مسلمہ استعماری و استبدادی نظام کی ان تمام عسکری، ثقافتی، اقتصادی اور عدالتی شکلوں سے نجات حاصل نہ کر لے جو ہم پر مغرب نے مسلط کر رکھی ہیں، اور جب تک ہر قسم کا سیاسی و اجتماعی ظلم ختم نہ کر دیا جائے۔

یقیناً اس سب کے لیے مضبوط تیاری، مستقل ترغیب و تحریض، پیہم جہاد اور قوت کے مقابلے کے لیے برابر قوت حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ دین کا قیام ’کتاب ہدایت‘ (قرآن مجید) اور مدد کرنے والی ’تلوار‘ کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اور ہدایت دینے اور مدد کرنے کے لیے اکیلا آپ کا رب ہی کافی ہے۔

۶۔ اسلامی تنظیموں اور جماعتوں سے شلک اور غیر شلک ہر اس مسلمان کے ساتھ تعاون کے لیے ہمارے ہاتھ دراز اور دل کشادہ ہیں جو اسلام کی نصرت کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ ہم سب کو چاہیے کہ مسلم سرزمینوں سے حملہ آور دشمنوں کو ہچھاڑنے اور یہاں شریعت کی حاکمیت و بالادستی کو قائم کرنے کے لیے بڑھ کر ایک دوسرے کا ہاتھ تمام لیں۔

ہمیں چاہیے کہ فاسد اور مفسد نظاموں کو ختم کرنے اور ظلم و جبر اور فساد سے اپنے خطوں کو پاک کرنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور ایک دوسرے کا دست و بازو بنیں۔

یہ سب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس فرمان کی پیروی میں ہے، کہ:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ (المائدہ: ۲)

”اور نیکی اور تقویٰ (کے کاموں) میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔“

اور اس کے ساتھ ساتھ تمام مسلمان بھائیوں کا آپس میں حق ہے کہ وہ ایک دوسرے کو نصیحت کریں اور یاد دہانی کرواتے رہیں۔

مگر چونکہ دین اسلام نے ہر طرح کے ظلم کو حرام قرار دیا ہے۔ خواہ وہ کسی مسلمان کے حق میں کیا گیا ہو یا کسی کافر کے، خواہ وہ کسی دشمن سے روار کھا گیا ہو یا کسی دوست سے۔ تو اس بنیاد پر ہم دنیا کے ہر مظلوم کو جن کی اکثریت مغربی اور امریکی جرائم سے متاثرہ ہے۔ یہ یقین دہانی کراتے ہیں کہ دین اسلام عدل و انصاف کا دین ہے۔ ہم مظلوموں کی تکالیف و مشکلات پر ان سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ ہمارا جہاد امر کی جارحیت کے خلاف ہے جس کے نتیجے میں وہ بھی ظلم سے نچ جائیں گے، اور یہ جہاد انھیں اس مغربی اور امریکی استحصال سے نجات دلانے کی ایک مؤثر کوشش ہے جس نے انھیں اپنا غلام بنا رکھا ہے، ان کے وسائل پر قبضہ جما رکھا ہے، اور ان کی زندگی اور معاشرے کو بگاڑ کا شکار کیا ہوا ہے۔

ہمارا یہ پیغام امت مسلمہ اور حق و عدل کے ہر طالب کے نام ہے، اور اس کا مقصد اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین!

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم!

تنظیم قاعدۃ الجہاد / مرکزی قیادت

رجب ۱۴۲۳ھ / جون ۲۰۱۱ء

کنتم خیر امة اخرجت للناس

ارشادِ امیر بالمعروف ونہی عن المنکر..... ضرورت و مشروعیت اور آداب و احکام

محمد مثنیٰ حسان

- ہم نے اس مقالے کو موضوعات کے اعتبار سے پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے جو حسب ذیل ہیں:
- مقدمہ: دین اسلام اور اس کی حفاظت کا طریقہ
- باب اول: امیر بالمعروف ونہی عن المنکر: اہمیت، فضیلت اور اثرات
- باب دوم: امیر بالمعروف ونہی عن المنکر: فقہی احکامات
- باب سوم: آمر (نیکی کا حکم دینے والے) اور ناهی (برائی سے روکنے والے) کے احکامات
- اختتامیہ: ہم، ہمارا معاشرہ اور ہماری ذمہ داریاں

اس مقالے کو پیش کرنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک ایسے دور میں مسلمانوں کے درمیان اس اہم ترین فریضے کو زندہ کیا جاسکے، جب مسلمان معاشرے سبک خیزی کے ساتھ برائیوں اور گمراہیوں کی لپیٹ میں آ رہے ہیں اور تاحال ہم اس کے آگے بندہ ہونے میں ناکام ہیں۔ اگر آج ہم نے اس فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی کی تو کل ہم اپنے محلوں اور گھروں میں وہ کچھ ہوتا دیکھیں گے جس کے تصور سے بھی روح کانپنے لگتی ہے، اور پھر دنیا میں بھی خسارہ ہو گا اور آخرت میں بھی رسوائی، والعیاذ باللہ! (صاحب تحریر)

فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، ضرورت و مشروعیت اور آداب و احکام ----- کنتم خیر امة اخروجت

وابتلاء میں ڈالا گیا اور حالات بری طرح تبدیل ہونے لگے؛ اور یہ انحطاط کا عمل آج تک جاری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ”پھر جھوٹ پھیل جائے گا“، آج پوری طرح صادق آرہا ہے، یہاں تک کہ اقوال و افعال اور عقائد، سبھی میں جھوٹ عام ہو گیا ہے، واللہ المستعان!“

امت کی زندگی میں دین کی حفاظت اور احیاء کا انتظام؛ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

خیر القرون کے بعد چونکہ امت میں گمراہیاں اور منکرات عام ہو جانے کا مکمل امکان تھا، تو رب تعالیٰ نے ان گمراہیوں اور ضلالتوں سے حفاظت کا انتظام بھی کر دیا، تاکہ رسولِ برحق ﷺ کے ہر زمانے میں مسلم معاشرہ خالص دین سے روشناس رہے اور اسلام کی روح ان میں تازہ رہے۔ نہ دین کے نام پر غلط نظریات اور بدعات کا فروغ ہو اور نہ لادینیت کی لہر معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے سکے۔ اسلام کی ابدی تعلیمات جو صدیوں قبل آنحضرت ﷺ کے ذریعے انسانوں تک پہنچیں، وہ اسی اصل صورت میں باقیامت انسانوں کی زندگیوں میں اترتی رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا یہ انتظام فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی صورت میں مسلمانوں کو عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتے ہیں:

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْعُرْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (البقرة: 104)

”اور تمہارے درمیان ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے کہ جس کے افراد لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائیں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں، ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔“

“فتح الباري: كتاب المناقب. باب فضائل أصحاب النبي ﷺ.

عظیم (۷)

(an)

عن أبي عبد الله عليه السلام: من أكل من ثمر ما لم يملكه، لم يملك نفسه. (مشروع مكتبة آية الله العظمى العارضي)

ایسا فریضہ ہے جو امت میں دین کو زندہ رکھنے کا موجب ہے۔ پس اگر اس فریضے کو ادا نہ کیا جائے تو امت سے دین اٹھ جائے، اس میں تحریف ہونے لگے، مگر اہی عام ہو جائے، امت کی زندگی ختم ہو جائے، اور مسلمان خود کو مسلمان سمجھنے کے باوجود اسلام سے عاری ہو جائیں، والیعاؤ بائند!

اللہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی حقیقت

ابن عمرؓ بالعرف ونبی عن النکر کی اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے امام غزالی علیہ الرحمۃ کا یہ
 اس کی کافی ہے، جسے آپ کے بعد بیشتر علماء نے افادیت کے پیش نظر من و عن نقل کیا ہے۔ آپ
 اللہ اس اہم فریضے کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

“ فإن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر هو القطب الأعظم في الدين، وهو المهم الذي ابتعث الله له النبيين أجمعين، ولو طوى بساطه وأهمل علمه وعمله لتعطلت النبوة واضمحلت الديانة وعمت الفاقة وفشت الضلالة وشاعت الجهالة واستشرى الفساد واتسع الخرق وخربت البلاد، وهلك العباد، ولم يشعروا بالهلاك إلا يوم التناد ”.

”اگر بالعمروف و نہی عن المنکر دین اسلام کا قطبِ اعظم ہے، اور یہی وہ کام ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو بھیجا۔ اگر اس کی بساطِ لپیٹ دی جائے اور اس فریضے کا علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کو ہلکا جان لیا جائے تو نبوت معطل ہو جائے، دین مضلل ہو جائے، کمزوری عام ہو جائے، مگر اسی پھیلنے لگے، جہالت پھیلنے پھولنے لگے، فساد کا دور دورہ ہو، حماقت کا بول بالا ہو، شہر برباد ہو جائیں اور لوگ ہلاک ہو جائیں اور انھیں اس بات کا ادراک تک نہ ہو، یہاں تک کہ روزِ قیامت آن پہنچے۔“

"إحياء علوم الدين، من ربيع العادات الثاني

(24)

عظیمین (<)

فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر، ضرورت و مشروعیت اور آداب و احکام کنتم خیراۃ اخرجت للناس

داخلی و خارجی، ہر قسم کی حفاظت کا انتظام

فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اتنی اہمیت اسی وجہ سے ہے کہ یہ ہر قسم کی خیر کے فروغ اور ہر قسم کے شر سے دفاع کا ذریعہ ہے۔

_____ مسلم معاشرے کی داخلی صورتحال کی بات کریں تو یہ فریضہ مسلمانوں کے درمیان پناہ ہونے والی تمام برائیوں، گناہوں اور بدعات و شرکیات کو ختم کرتا ہے، اور انہیں دین کے خالص احکامات پر عمل پیرا بناتا ہے۔ اس نکتے کو سید قطب رحمہ اللہ ان الفاظ میں واضح فرماتے ہیں:

”...وحيث يقوم المجتمع المسلم الذي تحكمه شريعة الله، فيدين الله وحده ولا يدين لسواه. يكون الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر في داخل هذا المجتمع: ونتناول ما يقع فيه من أخطاء وانحرافات عن منهج الله وشرعه“۔

”ایک حقیقی مسلم معاشرے میں _____ جہاں اللہ کی شریعت حکمراں ہو اور دین نامساوا اللہ سے ہٹ کر صرف اللہ ہی کے لیے خالص ہو _____ وہاں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ بھی ضرور زندہ ہوتا ہے۔ پھر یہی فریضہ معاشرے کو شریعت کی مخالفت اور منہج الہی سے انحراف کی راہ اختیار کرنے سے روکتا ہے۔“

_____ خارجی سطح پر بات کریں تو یہ فریضہ کفار کو مخاطب کرتا ہے اور انہیں حق کی طرف دعوت دیتا ہے، اور ان کی ہٹ دھرمی اور ان کی جانب سے حملے کی صورت میں جہاد کے ذریعے ان کی

”في ظلال القرآن: سورة القوبة، الآية ۱۱۲

”یہاں ’ہٹ دھرمی اور حملے‘ کے الفاظ استعمال کر کے جہاد کی دونوں اقسام: دفاعی و تہذیبی کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

”جس طرح علما نے دین نے ’دعوت الی اللہ‘ کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں شامل کیا ہے، اسی طرح ’جہاد فی سبیل اللہ‘ کو بھی اسی فریضے کی ایک شاخ قرار دیا ہے، جیسا کہ آگے علامہ سعدی رحمہ اللہ کے قول سے واضح ہو رہا ہے۔ ان شاء اللہ اس موضوع پر مزید گفتگو باب اول میں آئے گی۔

مکملین (۷).....

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”كَلِمَاتٌ خَلِيفَةٌ أُخْرَىٰ جُثْ لِلنَّاسِ لِتَأْمُرُوهُنَّ بِالتَّعْزُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ“ (ال عمران: ۱۰۳)

”تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔“

علامہ سعدی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”بمدح تعالیٰ هذه الأمة ويخير أنها خير الأمم التي أخرجها الله للناس، وذلك بتكملهم لأنفسهم بالإيمان المستلزم للقيام بكل ما أمر الله به، وبتمكملهم لغيرهم بالأمر بالمعروف والنهي عن المنكر المتضمن دعوة الخلق إلى الله وجهادهم على ذلك وبذل المستطاع في ردهم عن ضلالهم وغيبهم وعصيانهم“۔

”یہاں اللہ تعالیٰ اس امت کی تعریف فرما رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ یہ وہ بہترین امت ہے جسے اللہ نے لوگوں کے لیے نکالا ہے۔ (یہ بہترین اس طرح ہے کہ) یہ ایمان لا کر اور اللہ کے ہر حکم پر عمل کر کے پہلے خود اپنے نفوس کی تکمیل کرتے ہیں، اور پھر نیکی کا حکم دے کر اور برائی سے روک کر دوسروں کی بھی تکمیل کا سامان کرتے ہیں، کہ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اسی کی خاطر ان کے خلاف جہاد کرتے ہیں، اور ان کو گمراہیوں و نافرمانیوں سے روکنے کے لیے مقدور پھر کوششیں صرف کرتے ہیں۔“

پس اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو بہترین امت کا خطاب دیا تو وہ بھی اسی فریضے کی ادائیگی کے سبب

دیا۔

”تیسیر الکرم الرحمن فی تفسیر کلام المنان: سورة ال عمران، الآية ۱۱۰۔

مکملین (۷).....

فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر، ضرورت و مشروعیت اور آداب و احکام کنتم خیرا مہ اخرجت للناس

فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر؛ امت کی قیادت کا بنیادی کام

دین میں فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اسی اہمیت کے سبب شریعت مطہرہ نے اسے امت کی قیادت کا بنیادی کام قرار دیا ہے، تاکہ مقتدر حضرات، اقتدار و قوت کے ساتھ یہ فریضہ انجام دیں اور یوں امت کی زندگی میں دین کی حفاظت کو یقینی بنایا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالنُّفُوسِ
وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَلِلَّهِ غَايَةُ الْأُمُورِ﴾ (الحج: ۴۱)

”یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار عطا فرمائیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔“^{۱۸}

علامہ شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وفيه إيجاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر على من مكنه الله في الأرض وأفدّره على القيام بذلك“۔

”یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اس شخص پر فرض ہے جسے اللہ زمین میں تمکین عطا فرمائیں اور اسے (تمکین و اقتدار کی بدولت) اس فریضے کی ادائیگی کی مکمل قدرت حاصل ہو۔“^{۱۹}

”گو یہ آیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے، مگر علماء نے (دیگر مقامات کی طرح) یہاں اس خبر سے احکام اخذ کیے ہیں، جیسا کہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ کا قول ثابت کر رہا ہے۔ اسی طرح قاضی ابن عثیمہ اندلسی رحمہ اللہ (م ۵۳۲ھ) بھی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: ”وإنما الآية أخذة عهدا على كل من مكنه الله“ (ترجمہ) ”یہ آیت ہر اس بندے سے (ان چار کاموں کی انجام دہی کا) عہد لے رہی ہے جسے اللہ (زمین میں) تمکین عطا فرمائیں“ (الحمد والوجیز)۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ بھی اپنی تفسیر میں حضرت محمد ﷺ سے اللہ کا یہ قول نقل کرتے اور اسے پسند فرماتے ہیں کہ ”هو شرط هر طه الله على من آتاه الملك“ (ترجمہ) ”جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ حکومت عطا فرمائیں، ان پر اس آیت میں مذکور وہ شرائط حکومت کا درجہ رکھتے ہیں۔“ (الجامع للحکام القرآن)

^{۱۸} فتح القدیر: سورة الحج، الآية ۲۱

فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر، ضرورت و مشروعیت اور آداب و احکام کنتم خیرا مہ اخرجت للناس

امی وجہ ہے کہ علمائے دین نے جہاں بھی احکام و ولایہ کے فرائض و احکامات کا تذکرہ کیا ہے تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو خصوصی طور پر ذکر فرمایا ہے۔^{۱۸} امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ خلافت کی تعریف میں بھی اسے شامل فرمایا ہے۔ آپ رحمہ اللہ خلافت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”هي الرئاسة العامة في التصدي لإقامة الدين بإحياء العلوم الدينية وإقامة أركان الإسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرص للمقاتلة وإعطاءهم من الفيء والقيام بالقضاء وإقامة الحدود ورفع المظالم والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر نيابة عن النبي صلى الله عليه وسلم“۔

”(خلافت) ایسی حکومت عامہ کا نام ہے جو رسول اللہ ﷺ کی نیابت کرتے ہوئے (دنیا میں) دین کو (بالفعل) قائم کرے؛ اور اس کی خاطر علوم دینیہ کا احیاء کرے، ارکان اسلام قائم کرے، جہاد اور اس سے متعلقہ امور سرانجام دے۔۔۔۔۔ مثلاً لشکروں کا انتظام و انصرام، قتال کے لیے ان کی روانگی، انھیں فے میں سے ان کے حصے کی ادائیگی۔۔۔۔۔ نیز شعبہ قضاء قائم کرے، حدود نافذ کرے، مظالم رفع کرے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرے۔“^{۱۹}

”وہیے غلطی کے تمام افعال مشروع ہی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی قبیل سے ہوتے ہیں، تاہم جب خصوصی طور پر بات کی جاتی ہے تو حکومت کی سطح پر یہ فریضہ تین شعبوں ’قضاء‘، ’مظالم‘ اور ’حسب‘ کی صورت دہا لیتا ہے، اور ان تینوں کی تفصیل علماء کتب سیاست میں ذکر فرماتے ہیں۔ (لاحظہ ہو احکام السلطانیۃ للماوردی رحمہ اللہ) کہ ان شاء اللہ آئندہ ابواب میں ان شعبوں کے حوالے سے مزید گفتگو کی جائے گی۔

”إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء؛ جلد اول، مقدمہ اول، فصل اول در خلافت عامہ

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تو اس فریضے کی اس قدر اہمیت بیان کرتے ہیں کہ اس ایک کی ادائیگی کے لیے دنیا میں سیاسی قوت و اقتدار کے حصول کو لازم ٹھہراتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام میں جس قدر اہم فریضہ ہے، وہ اس سے ظاہر ہے کہ امت کی بعثت کا مقصد یہی بتایا گیا ہے:

”تم بہترین امت ہو، جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہو، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔“ (ال عمران: ۱۱۰)

اور قیامت تک کے لیے مسلمانوں کا یہی فرض قرار دیا گیا ہے:

”تم میں ایک ایسی جماعت رہنی چاہیے جو بھلائی کی طرف دعوت دیتی رہے، نیکی کا حکم کرتی رہے، اور برائی سے روکتی رہے۔“ (ال عمران: ۱۰۴)

لیکن یہ یاد رہے کہ اس کے لیے امر (حکم) اور نہی (ممانعت) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ امر و نہی کے لفظ میں اقتدار اور تحکم کی شان ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ وہ بھلائی اختیار کرنے کے لیے درخواست و عرض کریں گے۔ پس امر و نہی کے لیے سیاسی اقتدار اور مادی قوت کی ضرورت ہے اور امت کا فریضہ ہے کہ وہ اس کا انتظام کرے۔“^{۲۰}

پس مدعا یہ ہے کہ اس فریضے کا تعلق چونکہ امت کی زندگی میں احیائے دین سے ہے اور اس کی ادائیگی کے بغیر دفاع و بھائے امت و دین ناممکن ہے، لہذا یہ کام اپنی کامل صورت میں اسی وقت ممکن ہے جبکہ حکومت کی سطح پر اس کی ادائیگی کا انتظام کیا جائے، اور قوت کے ساتھ اسے انجام دیا جائے۔ یہ بات خود اس فریضے کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے کافی ہے۔

عصر حاضر میں امت مسلمہ کی صورتحال اور اس فریضے کی ضرورت

یہ بات سمجھ لینے کے بعد کہ فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر معاشرے میں دین کی حفاظت و احیاء اور اسے قائم رکھنے کا موجب ہوتا ہے، آئیے اب آج کے دور میں امت مسلمہ کی صورتحال کا جائزہ لیتے ہیں۔

آج امت مسلمہ پر نظر دوڑائیں تو ہمیں ہر قسم کی چھوٹی بڑی منکرات و شرکیات، مگر اہیاں اور برائیاں نظر آتی ہیں۔ یہاں چند ایک کا ذکر کیے دیتے ہیں، مگر یہ چند ایک ایسی ہیں کہ اپنی جامعیت کے اعتبار سے پوری فضا پر حاوی ہو رہی ہیں، مثلاً ہر خطے میں اسلام مخالف کفریہ نظام حکومت رائج ہے، مستبد حکومت عالم و فاسق، دین سے عاری لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، عدالتوں میں غیر شرعی قوانین نافذ ہیں، معیشت و تجارت سود پر مبنی ہے، معاشرت پر مغربی اقتدار کا غلبہ ہے، ذرائع المداغ کے ذریعے لادین نظریات کا پرچار صبح و شام ہو رہا ہے، عفت و عصمت کی بجائے بے حیائی کی حکمرانی ہے اور قبروں پر شرک و بدعت کے اڈے سرکاری سرپرستی سے قائم ہیں۔ اس سب کے ساتھ خارجی طور پر کفار و مغرب ہمارے بیشتر ممالک پر حملہ آور ہیں اور ہمارے بھائی بہنوں کی جان، مال، عزت و آبرو کی وحشیاں بکھیر رہے ہیں۔ ایسے میں امت کی زندگی میں دین کی کیا حالت ہوئی، ہر صاحب بصیرت شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

آج صورتحال جہاں تک پہنچ چکی ہے، اس کا بنیادی سبب اسی فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی ہے۔ اس صورتحال سے نجات کا راستہ یعنی امت کو ان منکرات میں گم ہو جانے سے محفوظ رکھنے اور دین اسلام کو زندہ کرنے کا راستہ، جیسا کہ ذکر ہوا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ادائیگی ہی سے وابستہ ہے۔ آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ امت میں اس فریضے کو زندہ کیا جائے، اور عوام و خواص سب اپنے اپنے دائروں میں اس فریضے کو سرانجام دیں، تا آنکہ آج جہاں منکرات کا دور دورہ ہے، وہاں معروف کا دور دورہ ہو جائے۔

لو سرکاری سرپرستی بھی فراہم کی گئی، لوگوں کو خود آکسایا گیا۔ سلمان رشدی، گستاخانہ خاکے بنانے والا ملعون مصور اور امریکہ میں قرآن جلانے والا بد بخت پادری اس کی زندہ و جاوید مثالیں ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ سب ملعون ہی کیوں نہ ہوں لیکن مغرب، تو انہیں آزادی اظہار کی علامت اور اس میدان کے ہیرو کے طور پر ہی جانتا ہے۔ جمہوری نظام وضع کیا گیا تو اس کے حق میں دلائل لانے اور اس کے لٹاؤ کی خاطر عملی جدوجہد کرنے والے ہر شخص کو ہیرو قرار دیا گیا۔ چنانچہ 'ابراہیم لنکن' سے لے کر 'کامنڈ ہی' تک اور 'جارج واشنگٹن' سے لے کر 'نیلن منڈیلا' تک سب ہی ہیرو قرار پائے۔ قلوب و اہان کو دنیا میں گمن رکھنے کے لیے کھیل کو جب ایک باقاعدہ صنعت کا درجہ دیا گیا، تو ہر کھیل کے لیے کچھ ہیرو بھی تراشے گئے جن کی پیروی کو نوجوان نسلیں خود کے لیے سرمایہ انکار جائیں۔ پس 'میراڈونا' سے لے کر 'ڈان بریڈ مین' تک اور 'محمد علی کلت' سے لے کر 'جہانگیر خان' تک سب ہی ہیرو ٹھہرے۔ مدعا واضح کرنے کے لیے تو اتنی مثالیں بہت ہیں۔

پس ایک طرف جہاں مغرب کی عسکری یلغار نے انسانیت کے جسد پر چڑ کے لگائے تو دوسری جانب اس فکری یلغار نے اس کے قلب و ذہن کو پراگندہ کیا۔ رفتہ رفتہ تمام الہامی مذاہب اس حملے کے سامنے دم توڑتے گئے اور صرف اسلام ہی اس خالی میدان میں پوری آن بان شان کے ساتھ مقابلے کے لیے کھڑا رہا، اور یہ سعادت بہر حال اسی دین کو حاصل ہوئی چاہیے تھی جو اللہ کا آخری پیغام ہوا۔ وہ بھی اپنی اصل حالت میں محفوظ۔

خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد قائم ہونے والے عالمی نظام کفر کے کرتا و طر تا بھی یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس کے مضبوط و قطعی دلائل اس باطل نظام کی نظریات بنیادوں پر کاری وار کر سکتے ہیں اور اسی دین کی کوکھ سے ایسی قد آور شخصیات جنم لے سکتی ہیں جو اس کے خلاف عملی مزاحمت کا نشان بھی بن جائیں۔ پس ایک طرف تو امت کو عقائدی و فکری محاذ پر گمر کرنے کے لیے دانشوروں کی ایک پوری فوج کھڑی کی گئی جو امت کو دین اسلام کا ایک منہ شدہ تحارفہ کرائے اور نسل نو کے ذہنوں میں تشکیک و الحاد کے بیج بوئے۔ دوسری طرف اس بات کا بھی پو اہتمام کیا گیا کہ نوجوانانِ امت کی نگاہوں میں یا تو مذکورہ بالا موسیقاروں، کھلاڑیوں، سیاسی مداریوں وغیرہ کو ہیرو بنا کر پیش کیا جائے یا زیادہ سے زیادہ کچھ ایسے کرداروں کو جو محض فکر و تخیل کی دنیا۔ شہسوار ہوں۔ نیز ایسے ہر فرد کو ان کی نگاہوں سے گرانے اور اس کی سیرت کو مشکوک و مطعون

ایک اور 'اسلام' کی ضرورت

عالمی

یہ مضمون ادارے کے پتے پر بذریعہ ای میل موصول ہوا تھا، جسے تلخیص اور ضروری ترمیمات کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ (مدیر)

مغرب اور اسلام کے درمیان آج جو معرکہ بپا ہے وہ حقیقتاً ہمہ جہت ہے۔ کفر اپنے تمام تر عسکری، مالی، مادی و مسائل سمیت امت مسلمہ اور اس کے دین پر حملہ آور ہے اور موجودہ حالات و واقعات میں یہ معرکہ ایک عظیم رخ اختیار کر گیا ہے۔

نوع انسانی کی تاریخ میں باطل نے بے شمار دلائل گھڑے ہیں اور کثیر الجہتی فکر کو نشوونما دیا ہے لیکن شاید تاریخ میں یہ اس سے پہلے نہیں ہوا کہ باطل نے اتنی کثیر تعداد میں دنیا کے افکار و اذہان متاثر کیا ہو کہ لوگوں نے اسے ایک طرز زندگی کے طور پر اپنا لیا ہو اور انفرادی رویے سے لے کر اجتماعی فیصلوں تک سارے معیارات اس کے مطابق بدل دیے ہوں۔

یہ اس طرح ہوا کہ کفر کے قائم کردہ باطل نظام نے نہ صرف کفر کو ترویج دی بلکہ کفر کی قباحت کے احساس کو ختم کرنے کے لیے چند مستقل معیارات بھی تشکیل دیے۔ اور پھر یہی نہیں بلکہ ان معیارات کی روشنی میں کچھ لوگوں کو ہیرو و کا درجہ دے کر ان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے دیے۔ چنانچہ موسیقی کو نہ صرف ترویج دی گئی بلکہ زمانہ قدیم و جدید سے اس کے حق میں دلائل ڈھونڈ کر نکالے گئے اور 'ایلبس پر سیلے' اور 'مائیکل جیکسن' جیسے موسیقاروں کو اس میدان کا ہیرو بنا کر پیش کیا گیا۔ 'آزادی اظہار' کو نہ صرف ایک فلسفے کے طور پر زندہ رکھا گیا بلکہ اس ماور پد آزاد 'آزادی

بنانے کی سعی کی جائے جس کا کردار امت کو غلامی کی زنجیریں توڑنے اور باطل کو لٹکانے کا سبق دے ہو۔

لیکن یہ آخری دین تھا بہت سخت جان۔ ادھر سے نظریاتی حملے شروع ہوئے، ادھر سے فکری مزاحمت وجود میں آگئی۔ ہر نقطے کے اہل حق علماء و داعی حضرات نے باطل افکار کی تہمتیں واضح کی، الحاد و زندہ قے کا مقابلہ کیا، اشتراکی افکار اور مغربی ثقافت کی دراندازی روکی، حق و باطل کو جدا کر کے پیش کیا اور امت کی نظریاتی سرحدات کا تحفظ کیا۔ لیکن ابھی قوت کا مقابلہ قوت سے کرنے کا مرحلہ باقی تھا اور اس مرحلے کے لیے درکار تیاری کے لیے بھی کسی میدان کی تلاش تھی۔ پس اس ذات پاک نے اپنی بے مثل تدبیر کے ذریعے دین سے چپے ہوئے انھی بیدار مغز نوجوانوں کے سامنے جہاد افغانستان کا دروازہ کھول دیا۔ یہ عظیم الشان معرکہ مسلم تاریخ کا ایک روشن باب بن گیا لیکن اس کی کوکھ سے بھی اس بطل جلیل کی پیدائش ممکن نہ ہوئی جو کہ کفر کے خلاف مزاحمت ہو، اگرچہ اس کے ظہور کی ابتدائی علامات خاک نشینوں پر ظاہر تھیں۔ اس جنگ کا خاتمہ ہوا اور اقتدار کی چھین جھپٹ نے اس کے روشن چہرے کو دھندلا کر دیا۔ بت شکنوں نے معاملے کا یہ رخ دیکھا تو اپنے اپنے وطن کو سدھارے لیکن بہت سوں پر کفر کے جھکنڈے کھل چکے تھے۔ مال غنیمت سے حصہ لینے کی بجائے مالک کی ارضامندی کے واسطے اپنے صلے کو بھی بھول گئے۔

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن

نہ مالی غنیمت، نہ کشور کشائی

وقت دے پاؤں آگے چلا گیا۔ یہاں تک کہ کفر نے حجاز کی مقدس سرزمین پر اپنے پنجے گاڑے۔ وقت آگیا تھا کہ قدرت الہی وہ معجزہ دکھا دے جو اسلام کے شایان شان ہو۔ مالک ارض و سما کو اپنی مقدس زمین کی یوں پامالی پسند نہ آئی۔ بت شکنوں کے دل سے پہلے آہیں نکلیں، پھر سرگوشیوں کا روپ دھار اور پھر صدائے احتجاج بلند ہوئی جو بالآخر لٹکار کی صورت اختیار کر گئی۔ اس لٹکار نے ایوانوں میں لرزہ پیدا کر دیا۔

ادھر جہاد کی سرزمین پر بھی کچھ بوریائشیں نے سر اٹھایا۔ ایک ہاتھ میں گن اور دوسرے میں قرآن، دیکھتے ہی دیکھتے کفر کے بت سڑکوں پر لٹکائے گئے اور اقتدار کے بھوکوں نے بھاگ جانے میں

ال مالت جانی۔ حجاز کے مقدس شایینوں پر زمین ٹھگ ہوئی تو خراسان کے بوریائشیں نے بازو دا کر دیے۔ یوں دو عظیم الشان قوتوں کا ملاپ ہو گیا۔

دونوں نے ایک مقصد کے لیے حلف اٹھایا کہ رب کی دھرتی پر رب کا نظام۔ اس باہمی اختلاط نے ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع فراہم کیا اور سب سے بڑھ کر ایک ایسا ماحول بنا جس میں خدائی قانون روح رواں تھا۔ ایک گروہ اگر مال لایا تو دوسرے نے خلوص دل سے وفاداری و حفاظت کا حلف اٹھایا۔ امت کا یہی وہ دور ہے جو چاہے کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، مسکلی اختلافات کے باوجود ایک ساتھ رہنے کا مظہر ہے۔ امت کی بچپنی سو سالہ تاریخ میں یہ پہلی مرتبہ تھا کہ کسی ایک گروہ نے مسکلی اختلاف کے باوجود دوسرے کی قیادت قبول کی ہو اور دوسرے نے پہلے کی عزت کی ہو، اور ہر دونوں نے ایک دوسرے کے لیے دل کھول کر رکھ دیے ہوں۔ یقیناً یہ عقیدہ توحید ہی تھا اور رب کی طرف سے ڈالی گئی باہمی الفت تھی۔ پھر علم و عمل کا تبادلہ بھی معرض وجود میں آنے لگا۔ صدیوں سے چھایا چلا آنے والا جود بھی نونا اور تعصب بھی۔ امت کے فقہاء ان کا مرجع تھے تو کتاب و سنت کی جانب رجوع ان کا دستور۔ یہ کوئی جامد معاشرہ نہ تھا۔ اس میں باہمی ادب و احترام اور رواداری کی وہ فضا تھی جس کی بنیاد قانون الہی پر تھی۔ یہ معاشرہ جہاں امر بالمعروف کے آداب سے واقف تھا وہیں نبی عن المنکر کے لیے بے چھین۔ یہ دو معاشروں کا بھی ملاپ تھا۔ عرب کے شعلہ نوا جملے بدنوں کو کوہ ہندو کش کے ہٹان صفت شہسواروں کے ساتھ شیر و شکر ہونے کا موقع ملا تھا۔ ایک گروہ اگر مانند مہاجرین تھا تو دوسرا مانند انصار۔ اخوت و ایثار کے شاندار مظاہرے وجود میں آئے۔

اس اتحاد و اشتراک کا بڑا گہرا اثر ہوا۔ دنیا بھر کے صالح ذہنوں کے لیے افغانستان ایک مقناطیس کی حیثیت اختیار کر گیا۔ چہار عالم سے ہزاروں لوگ ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئے۔ بے عمل اور کمزور مسلمان جن کے دلوں میں ایمان کی کچھ رمق ابھی باقی تھی، اس سرزمین کو اسلام کے نشان کے طور پر پہچنے لگے۔ کوئی ملا عمر کی صداقت و جان نثاری کے گن گاتا تھا تو کوئی شیخ اسلام کی بہادری کا معترف۔ کسی کی زبان پر قدح ہار کے لنگڑے گورنر کی کہانیاں تھیں تو کوئی کابل میں بے مثال امن کے قصیدے پڑھ رہا تھا۔

صورتحال کا مشاہدہ کرتے کفر کب سے دانت دبائے بیٹھا تھا۔ اس کا شیطانی وجد ان اسے کب سے ہر دار کر رہا تھا کہ یہ صرف خالی خولی نظام نہیں اور نہ کچھ جزوی اسلامی قوانین کا مرجع، بلکہ اس کی کوکھ

سے وہ کردار اور واقعات جنم لے رہے ہیں جو عنقریب اس کے مقرر کردہ پیمانوں کو بدل کر رکھ دیں گے، اچھائی اور برائی کو پرکھنے کے لیے 'الہی قانون' پھر پیمانہ بن جائے گا۔ لہذا اس نے موقع غیبت جان کر اپنی پوری قوت سے اس پر یلغار کر دی۔ ایمان والوں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر فیصلہ سنا دیا:

"یہ وہی تو ہے جس کا تمہارے رب اور اس کے رسول ﷺ نے تم سے وعدہ فرمایا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا تھا۔"

جن کے دلوں میں نفاق تھا وہ اور بڑھ کر کفر میں داخل ہوئے، اور جنہوں نے اپنا آپ اللہ کو پیش کر دیا تھا، یہ معرکہ ان کے بلند کی درجہ کا ذریعہ بن گیا۔

ایمان اور وفاداری کے حیران کن واقعات پیش آئے۔ قلعہ جنگی کے کنٹینروں اور ہیر کوں سے بہتا خون بہت ساروں کے جذبات کو مہمیز دے گیا۔ عقل نے گنگ ہو کر یہ منظر دیکھا کہ ہزار لالچ، دھمکی، تحریص کے جواب میں امیر المومنین صرف ایک فرمان رسول بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مسلمان اپنے بھائی کو کافر کے حوالے نہیں کرتا۔

تو راہورا کے پہاڑ جہاں شہیدوں کے خون سے تر ہوئے، وہاں کئی منافقوں کے چہرے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ غلاموں نے ڈالروں کے بدلے مجاہدوں کے جسم تو کفار کے حوالے کر دیے لیکن ان کی روح امت میں دوڑنے لگی۔ کہیں پر لاشوں سے خوشبو آتی تھی اور کہیں کوئی قلم رسیدہ قیدی ظلم کے کوڑے کھا کر بھی احد احد کا نعرہ مستانہ بلند کرتا تھا۔

نشد اور بردہ فروشی جس قبیلے کی پہچان تھی، وہ اچانک ایک انگڑائی لے کر بیدار ہوا اور ان ستم رسیدوں کا میزبان بن گیا۔ طاغوت کے کردار اور ڈرزی کٹر اپنی ہی گھن گرج میں ڈوب گئے جو اعلان کر رہی تھی کہ: بے کار ہے، ہم سینٹ اور پتھر کے بنکر میں تو سوراخ کر سکتے لیکن ان چٹان صفتوں کے ایمان میں نہیں۔ غلام آقا کو بچائے نکلے، سازشوں کا جال بند۔ شہادتوں پر شہادتیں ہوئیں لیکن ہر گز دالا لاشہ کئی زندہ گیوں کو جنم دے جاتا۔

کفر جھنجھلا سا گیا۔ میڈیا کو حکم ہوا کہ ناکامی کو کامیابی سے بدل دو۔ شور مچنے لگا۔ دشمن اسامہ، طالبان دہشت گرد، ملا عمر، خریب کار، رٹے رٹائے طوطے کی طرح کا شور۔ لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ پیرنگ کو جتنا دبا یا وہ اتنا ہی باہر آیا۔ شیخ اسامہ شجاعت و بسالت کے آئینہ دار ٹھہرے تو ملا عمر جرات و وفاداری کے۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا کام خود کفر ہی کرنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے قرآن سب سے زیادہ بکنے والی کتاب بن گئی۔ قال اللہ اور قال الرسول کی صدا گیس پھر بلند ہونے لگیں۔ دین بیٹھک اور چوپالوں کے بحث و مباحث سے نکل کر ایک زندہ و جاوید اور سنجیدہ مسئلہ کا رخ اختیار کر گیا۔ عالم افاق پر توحید کی کرنیں پھر جلوہ گر ہوئیں۔ قدامت پسندی اور بنیاد پرستی کے طعنوں سے اس کا تو کچھ نہ بگڑا مگر یہ سنت اور بدعت میں طریق ضرور کر گیا۔ وہ نظریات اور تصورات جو پچھلے ڈیڑھ سو سال میں صرف کتابوں اور درسوں کی دینیت بنے ہوئے تھے، وہ ایک بیک حقیقت کا روپ دھار گئے۔ افسانوی کردار زندہ و جاوید پیکر میں اعلیٰ گئے۔ اعلیٰ نبی، بلند کرداری، شجاعت و بہادری، اطاعت رسول، حق کے راستے میں ثابت قدمی اور پامردی جیسے مظاہر، جن کو سید قطب کے الفاظ میں 'سیاست کی منافقت' نے تقریباً دھندلا دیا تھا، وہ شیخ اسامہ و دیگر کے روپ میں جلوہ گر ہو گئے۔

اگر ان واقعات کا معروضی جائزہ لیا جائے تو شاید ہی کسی تحریک نے کم از کم پچھلے پانچ سو سال میں اتنے عامہ کو اس طرح متاثر کیا ہو، اور شاید ہی کسی دوسری تحریک کو ہم عالمی تحریک کا نام دے سکیں جو صرف ایک خطہ زمین کا قبضہ چھڑانے کے لیے یا مسلمانوں کے کچھ جزوی مسائل کا حل کرنے کے لیے نہ بنی ہوئی ہو، بلکہ عالمی سطح پر عالم کفر کے خلاف دین و امت کی مکمل ترقی کرتی ہو اور اس کے راستے میں ہر مشکل برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتی ہو۔ مزید برآں وہ شیخ اسامہ جیسے کرداروں کو بھی جنم دے جو ایک طرف جہاد کا ایک حوالہ ہوں، اور دوسری طرف ایمان اور کردار کی ایک سادہ و بے ساختہ تصویر پیش کریں۔

انہوں نے اس گزے گزرے دور میں بھی ایمان کا ایک معیار قائم کر دیا۔ لمبے دروس، فکری و نظری مباحث، دینی اصطلاحات کی تشریح سے ہٹ کر ایک سادہ اور غیر مبہم تصور سے امت کو روشناس کرایا۔ اور وہ یہ تھا کہ 'اللہ کے دین کے علاوہ اور کوئی بات قابل قبول نہیں'۔ یہ تصور عوام المسلمین میں مقبول ہوا اور یوں وہ اس مقصد میں مکمل کامیاب ہوئے کہ دین کو معاشرے کا مسئلہ بنا دیا۔ (آج کہیں دین کی مخالفت بھی ہو رہی ہے تو وہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ دین معاشرے کا موضوع بنا ہے۔)

۔ تندہی باؤ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!

یہ تو جلتی ہے تجھے ادھپا اڑانے کے لیے

عوام کے لیے کسی دور افتادہ پہاڑ کی غار میں بیٹھے ایک پوریا نشین کا مقام، کسی ریاستی ملا سے کہیں بڑھ کر تھا۔ ہزاروں اور لاکھوں کے چہرے سنت رسول سے عزین ہوئے۔ درس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد اچانک درجنوں سے سینکڑوں اور ہزاروں میں جا پہنچی۔ یعنی بنیاد جاننے کے شوق میں لاکھوں دماغوں نے لائبریریوں اور علماء سے رابطہ کیا۔ ملاحم کبریٰ، ظہور مہدی، علامات قیامت کے متعلق لوگوں کے اندر کبھی اتنا شوق نہ جاکتا، اگر شیخ اسامہ جیسے کردار پر وہ مسکین پر نمودار نہ ہوتے۔ حق کا ایک اور مرحلہ باطل کا پردہ انتہائی حد تک چاک کر دینے سے تعلق رکھتا ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ باطل ہمیشہ ایمان کے ساتھ سیدھی ٹکرائیے سے بچتا ہے۔ وہ دھوکے اور جھوٹ کی آڑ میں کام کرتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہی 'آمناسامنا' ہوا وہ بے نقاب ہو جائے گا۔ اسی مقصد کے لیے حق باری تعالیٰ نے یہ گروہ مو منین کی ذمہ داری رکھی ہے کہ وہ باطل کو لاکھڑا کرے، اسے مقابلے پر مجبور کریں تاکہ وہ بے نقاب ہو جائے اور اس کے دجل و فریب کا پردہ چاک ہو سکے۔ پس اس گروہ مو منین کا پاپا ہونا تھا کہ کفر اپنے دجل و فریب کے پردے چاک کر کے باہر آگیا۔

وہ جو 'انسانی رواداری'، 'دوسروں کی مذہبی روایات کا احترام' کا پرچارک تھا، اس نے نبی کریم ﷺ کے کارنوں بنا کر اپنے اس دجل کا پردہ خود ہی چاک کر ڈالا۔ جن صلیبی جنگوں کے تصور سے ہی وہ کاب پ اٹھتا تھا، اس کا اظہار 'بش' نے خود ہی کر ڈالا۔ انسانی جان کے تحفظ کا سب سے بڑا علمبردار افغانستان، عراق اور وزیرستان میں سب سے بڑے قتل عام کا مجرم ٹھہرا۔ مذہبی وابستگی سے بالاتر ہو کر ہر انسان کو مساوی مواقع فراہم کرنے کا داعی ہر داڑھی والے سے ایسے خوفزدہ ہوا کہ اسے بنیاد پرست قرار دے کر زندگی کے ہر معاملے سے ہٹانے لگا۔ قانون کی بالادستی کو سب سے اہم ماننے والا گواما مو بے کے قیدیوں کو قانونی تقاضوں سے آخری حد تک دور رکھنے کا مجرم پایا گیا۔ پھانسی اور اسلامی سزاؤں کو غیر انسانی قرار دینے والے نے ابو غریب کی جیل میں ظلم و ستم کی وہ داستان رقم کی کہ اس کے اپنے انصاف پسند چیخ اٹھے۔

اپنی عزت کے تحفظ میں امریکی فوجی پر گولی چلانے والی عافیہ صدیقی کو جہاں ۸۶ سال کی قید کی سزا دی، وہاں اپنی فوجی 'جنسی مریضہ' اور اس کے یوائے فریڈ جنسوں نے ابو غریب میں انسانیت سے گرے جرائم کا ارتکاب کیا۔ انھیں صرف ڈھائی ماہ 'مذہبی معالج' کی consultancy میں دیا۔

اسی طرح شاتم رسول 'رشدی' کو اگر برطانیہ نے 'سر' کے لقب سے نوازا تو جرمنی کی چانسلر ایگن کارٹنوسٹ کی تعریف میں رطب اللسان نظر آئی۔ ٹونی بلیر نے پرائم منسٹری سے فراغت کے بعد 'پاپ کی نوکری' اختیار کی اور بش نے اپنے آپ کو خدا کی طرف سے مامور بتلایا۔ ابامہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ امریکہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

زرداری کہنے لگا کہ یہ لوگ ہمارا لائف اسٹائل بدلنا چاہتے ہیں۔ گویا خود اقرار کیا کہ اس کا لائف اسٹائل 'اسلام' کے علاوہ کچھ اور ہے۔ مشرف کو مجبوراً سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ لگانا پڑا جو نیشنلزم کے کفر کے علاوہ کچھ نہیں۔ بزبان قرآن:

"ان کی اصل حقیقت تو ان کی باتوں سے ظاہر ہو چکی، اور جو کچھ یہ سینوں میں چھپاتے ہیں وہ اس سے بڑھ کر ہے۔"

شکر صد شکر کہ شیخ اسامہ د دیگر کی بدولت ان کے سینوں کا عناد بھی ہم پر کھل گیا۔ وہ کفر کے خلاف دین و امت کے دفاع کی علامت ہیں۔ انہوں نے اپنے کردار اور قربانیوں سے اسلامی معیارات اور کفریہ معیارات کے درمیان ایک حد فاصل قائم کر دی ہے۔ ان سے محبت اللہ کی طرف سے عطا کردہ تحفہ ہے، جس کو بنیاد بنا کر امت مسلمہ اپنے حالات و واقعات میں انقلابی تبدیلی لا سکتی ہے۔ وہ صرف ایک مجاہد نہ تھے بلکہ مسلسل قربانیوں نے انہیں ایمان کے اس درجے پر فائز کر دیا تھا جس کی فراست سے شیطان بھی اپنا راستہ بدل لیتا ہے۔ اس پر آشوب دور میں شاید ان تمام اثرات کا احاطہ ممکن نہ ہو جو آپ کی جدوجہد اور شہادت نے امت پر چھوڑے ہیں۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ امت کی ہداری خون شہید اس سے مشروط ہے۔

مغرب کا ڈر ٹھیک تھا، اگر وہ شیخ اسامہ کی لاش امت کے حوالے کر دیتا تو اس بدترین فتنے کے دور میں بھی یہ امت دعویٰ کرتی کہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہمارے جٹاڑے کریں گے۔ شیخ اسامہ پہلے تھے مگر آخری نہیں۔ امت کو اگر اپنا وجود باقی رکھنا ہے تو ایک اور 'اسامہ' کی ضرورت ہے۔

وہ کفر کے خلاف ہر محاذ پر کھڑا ہے۔

اور الحمد للہ مسلمان ماؤں کی گودوں میں پھر ایمان کے پھول کھلنے لگے ہیں۔

تنظیم القاعدہ (مرکزی قیادت)

اے مسلمانانِ پاکستان! تمہاری زمین پر شیخ کا مبارک خون بہا ہے، پس اٹھ کھڑے ہو!
”اے مسلمانانِ پاکستان! تمہاری زمین پر شیخ کا مبارک خون بہا ہے، پس اٹھ کھڑے
ہو! اور دھوکے باز خائنوں کے اس ٹولے کے خلاف بغاوت کرو جس نے امتِ مسلمہ کا
سب کچھ دشمن کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے اور جسے مجاہدین کے پاکیزہ جذبات کی ذرہ بھر پرواہ
نہیں۔ بلاشبہ امریکیوں کی پھیلائی ہوئی مہجاست کو دھو ڈالنے اور اس زمین کو امریکی
ایجنٹوں سے پاک کرنے کے لیے ایک مضبوط بغاوت کی ضرورت ہے۔“

امارت اسلامیہ عراق

خون کا بدلہ خون ہے اور تباہی کا بدلہ تباہی

”ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی شہادت سے ان کے مجاہد
بھائیوں کے ثبات و استقلال میں مزید اضافہ ہو گا۔ ہم اپنے بھائیوں خصوصاً شیخ ایمین
الظواہری حفظہ اللہ اور تنظیم کے دوسرے قائدین سے کہیں گے: اللہ آپ کے اجر میں
اضافہ فرمائے اور اس مشکل گھڑی میں آپ کو صبر عطا کرے۔ اللہ کی رحمت سے آپ
اپنے کام میں ڈٹے رہیں۔ ہم آپ کو خوشخبری سناتے ہیں کہ امارت اسلامیہ عراق کی
صورت میں آپ کے بہت سے وفادار جالِ ثار موجود ہیں جو راہِ حق پر گامزن ہیں اور ہر گز
چھپے بننے والے نہیں۔ اور اللہ کی قسم! خون کا بدلہ خون ہے اور تباہی کا بدلہ تباہی!“

حرکت الشباب المجاہدین صومالیہ

شیخ رحمہ اللہ نے اس دور میں امت کو راہِ نجات دکھائی اور اس راہ کا سنگِ بنیاد بھی رکھا
”آج ہم امت کے بطلِ جلیل شیخ اسامہ رحمہ اللہ کو خراجِ حمین پیش کرتے ہیں اور
عصرِ حاضر کی مجاہد نسل پر ان کے احسان کا اعتراف کرتے ہیں۔ شیخ رحمہ اللہ نے اس دور
میں امت کو راہِ نجات دکھائی اور اس راہ کا سنگِ بنیاد بھی رکھا۔ نتیجتاً مجاہدینِ جوقِ درجوق

شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی شہادت پر

دنیا بھر کے جہادی حلقوں کے تاثرات

جمعہ ۱۱ ذی قعدہ: حسن حبیب

مرکزی شوریٰ، امارت اسلامیہ افغانستان

جہاد کا شجر ہمیشہ مقدس لبو سے سیراب ہو کر ہی شمر دیتا ہے

”اگر غاصب امریکی اور ان کے اتحادی یہ سوچ رہے ہیں کہ شیخ اسامہ بن لادن رحمہ
اللہ کی شہادت سے افغانستان اور دیگر مقبوضہ مسلم سرزمینوں میں مجاہدین کے حوصلے
پست ہو جائیں گے تو یقیناً یہ ان کی بہت بڑی غلطی ہوگی۔ جہاد کا شجر تو ہمیشہ مقدس لبو
سے سیراب ہونے کے بعد ہی شمر دیتا ہے اور ایک ایک شہید کی شہادت کے بعد
سینکڑوں افراد شوقِ شہادت سے سرشار ہو کر میدانِ جہاد میں نکل آتے ہیں۔

امارت اسلامیہ کا یقین ہے کہ اس دور میں شیخ رحمہ اللہ کی شہادت حملہ آور فوجوں کے
خلاف جاری تحریکِ جہاد میں نئی روح پھونک دے گی، جہادی موجوں میں مزید طغیانی
آئے گی اور آئندہ کے حالات دشمن اور دوست دونوں پر واضح ہو جائیں گے۔“

ہر سمت سے اٹھ پڑے اور لفظ 'جہاد' کو بلاہ اسلامیت کے چپے چپے پر پھر سے ایک زندہ حقیقت بنادیا۔“

عظیم القاعدہ جزیرہ عرب

امریکی یہ جان لیں کہ شیخ کی جلائی ہوئی چنگاری اب مزید بھڑک اٹھی ہے!

”امریکیوں نے شیخ کو شہید کر دیا لیکن کیا شیخ کے ساتھ ہی وہ دین بھی رخصت ہو گیا جس پر شیخ ایمان رکھتے تھے؟ کیا شیخ کی دعوت اور ان کا دیا ہوا منہج مٹ گیا؟ اور کیا شیخ کی بیدار کردہ جہادی روح بھی شیخ کے ساتھ ہی اس امت سے چل بسی؟ امریکی یہ جان لیں کہ شیخ کی جلائی ہوئی یہ چنگاری تو اب مزید بھڑک اٹھی ہے۔ یہ شہادت امت کی حیات نوکا سبب بنے گی۔ اس امت کے نظریات اس کے رجال کی شہادت سے مردہ نہیں ہوتے، بلکہ امت کے افراد کا خون ان نظریات کو مزید تقویت فراہم کرتا ہے اور ہماری قیادتوں کی قربانیاں ہمارے پیغام کی سچائی کو بالکل عیاں کر دیتی ہیں۔“

عظیم القاعدہ بلا و مغرب اسلامی

شیخ رحمہ اللہ آئندہ سلسلوں کے لئے صدق و وفا اور صبر و رضا کا ایک لائق تقلید نشان بن گئے ہیں

”اے عزیزو! آج کا دن تعزیت اور مبارک باد کا ایسا دن ہے کہ جس میں خوشی کے ساتھ غمی اور رضامندی کے ساتھ غصہ مل گیا ہے۔ جی ہاں! ہم غمزدہ ہیں کیونکہ ہم اپنے دلوں میں اپنے پیارے شیخ کے فراق کا سوز محسوس کرتے ہیں۔ وہ قابل تعریف سیرت اور مبارک کردار کے مالک تھے۔ اللہ نے انہیں خیر و بھلائی کی بہت سی خصلتوں سے نوازا تھا اور پوری زمین میں ان کے لئے قبولیت و محبت رکھ دی تھی۔

لیکن ہم یہ سوچ کر خوش بھی ہوتے ہیں کہ انہوں نے اپنی مراد پائی اور اس شہادت کو حاصل کر لیا جس کے لئے وہ بے چین تھے اور ان شاء اللہ وہ ابرار کے رتبے کو پہنچ

گئے۔ پس الحمد للہ وہ اپنے بعد والوں کے لئے ایک لائق اقتداء نمونہ چھوڑ گئے اور آئندہ سلسلوں کے لئے صدق و وفا اور صبر و رضا کا ایک لائق تقلید نشان بن گئے۔“

جماعۃ التوحید والجمہادیۃ المقدس

اللہ کی قسم! ہم ضرور راہ جہاد پر ڈٹے رہیں گے

”شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی شہادت میں ہمارے لیے عظیم اسباق ہیں جو ہمارا حوصلہ بڑھانے کا سبب ہیں۔ وہ اپنے جسد اطہر کے ساتھ اس دنیا سے رحلت فرما گئے لیکن ان کی روح ہمارے درمیان یہ منادی کرتی پھر رہی ہے کہ تم عزت و عظمت کی راہ کو کبھی ترک نہ کرنا اور ان کی صدا مسلسل ہمارے کانوں میں گونج رہی ہے کہ ’الجمہاد والجمہاد‘ پس ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہم ضرور راہ جہاد پر ڈٹے رہیں گے اور اپنے امام مجدد کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے۔ بزدلوں اور شکست خوردہ لوگوں کی کثرت ہمیں ہرگز ضرر نہیں پہنچائے گی اور پسپائی اور طواغیت کی غلامی کی دعوت ہمیں متزلزل نہیں کرے گی۔ ہماری ماؤں نے ہمیں باعزت جنا ہے، ہم نے غیرت و حمیت کا جام نوش کیا ہے اور شیخ الاسلام اسامہ رحمہ اللہ کی سیرت نے ہمیں اس کی حلاوت عطا کی ہے۔ اے اللہ کے دشمن یہود و نصاریٰ، مرتدین اور ان کے حلیفوا تمہیں ہماری طرف سے تباہی کی نوید ہو۔“

یہ جنگ کی د ناوڑہ کارونو او منکراتو دمخویو بہ ہکله
د افغانستان اسلامی امارت دمقام

فرمان

تہہ - (۴۴)

تہہ : ۱۴۲۱/۷/۱۲ ھ فی

لولو محرمو نظامی مسئولینو ته ا

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ ا

لکه خرننگه چې (مور او ستاسو د جہاد مقصد د حلالی (ح) پر مخکے
د اللہ پاک د نظام قائم کول دی نو ددی مقدس هدف دلاس ته راوړلو لپاره
صوری ده چې د شرعی اصولو سره سم پسه هروخت او هر ځای کی
احرات وکړی خو داچې د جنگ په وخت کی بعضی ناوړه او منکر کارونه
کېږی او همدغه بعضی منکرات په جنگ کی د ریاکو شهیدانو او زخمیانو
نسب کېږی تاسو ټوله به گڼه سره د ناوړه کارونو او منکرانو د مخنیوی
لپاره موجود شی او په هر فیصله چې وی ددغه ناوړو کارو مجبوری وکړی
تر څو غاړی مو خلاصی شی او جہاد مو کماتخفه جہاد شی

والسلام

د اسلام خادم

امیر المؤمنین ملا محمد عمر (مجاهد)

امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ کے فرامین

قرجہ عثمان خان يوسف زلم

است مسلم نے خلافت راشدہ کے مبارک دور کے بعد تین بڑی خلافتوں: خلافت امویہ، خلافت
عباسیہ اور خلافت عثمانیہ کا نظارہ کیا۔ خلافت کے اس شجر سایہ دار تلے جہاں ایک طرف یہ امت اپنے دین
پر بلا روک ٹوک عامل رہی، وہیں اس کو بحیثیت مجموعی کفار عالم پر غلبہ و عروج بھی حاصل رہا۔ امت کا دین
بھی محفوظ رہا اور اس کی جان، مال اور عزت بھی محفوظ۔ اگرچہ بعض مراحل میں خلافت کے اس ادارے
میں کمزوریاں بھی دیکھنے کو ملیں، لیکن کمزوریوں کے باوجود بھی فقط اس کا وجود ہی مسلمانوں کے لیے بہت
بڑے سہارے کا موجب رہا اور وہ صدیوں تک ایک مرکز پر، ایک قیادت تلے متحد رہے۔ بیسویں صدی
کے آغاز میں جب خلافت عثمانیہ کا سقوط ہوا تو پورے عالم اسلام پر غلامی کے ویز بادل چھا گئے، اور قریباً
پون صدی اسی صیبت تاریکی میں گزری۔ پھر ایک افغانستان پر روسی حملے کے بعد اللہ تعالیٰ کے کرم سے
اس خطے میں ایک جہادی تحریک پہ ہوئی اور روس کے نکل جانے کے بعد، ۱۹۹۶ء میں، ملا محمد عمر مجاہد حفظہ
اللہ کی قیادت میں طالبان نے امارت اسلامیہ افغانستان کی بنیاد رکھی۔ اللہ کے فضل سے اسلام کا یہ شجر قریباً
چھ سال مسلمانوں کے لیے برگ و بار لایا اور امت دوبارہ بتدریج ایک مرکز کے گرد مجتمع ہونے لگی۔ مگر
اس لامرت کے مضبوط و مستحکم ہونے سے قبل ہی کفار مغرب نے اس مرکز پر حملہ کر دیا اور یہ معرکہ
تاحال جاری ہے۔

یقیناً یہ دور تاریخ اسلام کا ایک سنہری دور تھا، لیکن اہل قلم نے اس کے درخشاں پہلو محفوظ کرنے پر
کما حقہ توجہ نہ دی۔ اسی کی کوپوراکرنے کے لئے ادارہ حنین نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے اور پہلی کڑی کے
طور پر امارت اسلامیہ کے پونے چھ سالہ دور میں جاری کردہ احکامات و فرامین کو نشر کرنے کا آغاز کیا جا رہا
ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔ (مدیر)

جنگ کے دوران انجام پانے والی کوتاہیوں اور منکرات کی روک تھام کے لیے
امارت اسلامیہ افغانستان کا جاری کردہ حکم نامہ

امارت اسلامیہ کے تمام قابل احترام مسئولین کے نام!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ جانتے ہیں کہ ہمارے اور آپ کے جہاد کا مقصد اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام قائم کرنا ہے۔ اس مقدس ہدف کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ہر حال میں اور ہر جگہ شرعی اصولوں کی پاسداری کی جائے اور انھی کے مطابق عمل کیا جائے۔ لیکن (امروا واقع یہ ہے کہ) جنگ کے دوران بعض غلط اور منکر کام سرزد ہو جاتے ہیں اور یہی منکرات جنگ کے دوران نقصانات میں اضافے اور شہداء اور زخمیوں میں زیادتی کا سبب بنتے ہیں۔ لہذا (آپ سب کو یہ حکم جاری کیا جاتا ہے کہ) آپ ان منکرات کی روک تھام کی طرف توجہ فرمائیں، اور ہر قیمت پر ان کی بیخ کنی کریں، تاکہ ہم پر عائد نبی عن المسکر کی ذمہ داری بھی ادا ہو سکے اور ہمارا جہاد بھی واقعتاً ایک خالص جہاد بن جائے۔

والسلام

خادم اسلام

امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد

ان الحكم الا الله

خلافت اسلامیہ اور دیگر نظام ہائے سیاسی (تسہیل شدہ)

مولانا قاری طیب رحمہ اللہ

یہ اقتباس مصنف کی کتاب ”فطری حکومت“ سے لیا گیا ہے۔ (مدرسہ)

خلافت اسلامیہ کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور بادشاہت جب تکوینی دائرے سے آگے بڑھ کر تشریفی دائرے میں داخل ہوتی ہے اور کائنات کی اشرف ترین مخلوق انسان، نائب الہی ہونے کے ناطے، جب اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو زمین پر نافذ کرتی ہے تو اسی کا نام ’خلافت اسلامیہ‘ ہے۔ خلافت رب تعالیٰ کی آسمانی بادشاہت کا زمین پر عملی مظہر ہے۔ جس طرح آسمان پر رب تعالیٰ کی بادشاہت ہے، اسی طرح زمین پر بھی حاکمیت اسی کو ذیبا ہے اور اسی حاکمیت کو قائم کرنا خلافت کہلاتا ہے۔

خلافت اسلامیہ اور دیگر نظام ہائے حکومت و سیاست میں فرق

ہم یہاں اسی ربانی نظام سلطنت یعنی خلافت اسلامیہ کا نقشہ ذکر کریں گے اور دیگر باطل نظریہ ہائے حکومت، جن میں انسان اللہ تعالیٰ کی بجائے خود مطلق العنان بن بیٹھتا ہے، سے اس کا موازنہ کریں گے۔ خلافت اسلامیہ میں دین اسلام کے اصولوں کے مطابق مخلوق خداوندی کی تربیت کی جاتی ہے، جبکہ دیگر نظاموں میں خدا کی بادشاہت کا نام تو استعمال کیا جاتا ہے مگر در پردہ انسانی اقتدار و استبداد ہی کار فرما رہتا ہے اور رب تعالیٰ کا نام استعمال کر کے انسان بزور حاکم بن بیٹھتا ہے۔

خلافتِ اسلامیہ اور یہود کا نظام حکومت:

خلافتِ اسلامیہ یہودیوں کی آسمانی حکومت کی طرح نہیں ہے جس میں بادشاہ کو عیسیٰ خدا (کارندہ الہی) ظاہر کر کے اس کے انتخاب و تقرر، اس کے صادر کردہ حکم اور اس کی عسکری حکومت کو بین جانب اللہ ثابت کر دیا گیا ہے۔ یعنی اس کا ہر فعل خدا ہی کا کیا ہوا ہے، لہذا مخلوق کو بادشاہ سے سرتابی اور انحراف و بغاوت کی مجال نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ یہودی نظام حکومت میں احکامات صادر تو انسان کرتے ہیں مگر ان احکامات کو خدا کے نام پر واجب الاطاعت بنا دیا جاتا ہے۔

خلافتِ اسلامیہ اور عیسائی نظام حکومت:

اسی طرح اسلام کا نظام خلافت عیسائیوں کی آسمانی بادشاہت کی طرح بھی نہیں جس میں پاپائے روم نے بادشاہ کو خدا کا اوتار قرار دیتے ہوئے شاہی طاقت کو عین الہی طاقت ثابت کر دیا اور بادشاہ سے بغاوت فی الحقیقت خدا سے بغاوت سمجھی گئی۔ یوں عیسائی نظام حکومت کا حاصل بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسانی مطلق العنانیت کو خدائی اقتدار کے پردے میں چھپا کر حق بجانب قرار دیا جائے۔

خلافتِ اسلامیہ اور یونانی نظام حکومت:

اسلامی نظام خلافت یونانی نظریہ حکومت سے بھی بلند تر ہے جس کے مطابق حکومت قوم اور بادشاہ کے مجموعے (یعنی ہر دو کی مرضی) سے بنتی ہے۔ لیکن دیوتاؤں کی دعائیں بہر حال بادشاہ کی تکفیل رہتی ہیں اور بادشاہ جو کچھ بھی کر گزرے قوم پر اس کی اطاعت اس لیے ناگزیر ہے کہ اس کی حکم عدولی کا مطلب دیوتاؤں کی مخفی طاقت سے ٹکر لیتا ہے؛ اور بادشاہ سے انحراف فی الاصل دیوتاؤں کے تصرف سے بغاوت ہے۔

خلافتِ اسلامیہ اور مہابھارت کی بادشاہت:

اسی طرح خلافتِ اسلامیہ مہابھارت کی تجویز کردہ خدائی بادشاہت بھی نہیں جس میں بادشاہت کو ربانی پیداوار کہہ کر اس کی عظمت کو عین خدا کی عظمت بتلایا گیا ہے۔ پھر اسی باطل تاویل کو استعمال کرتے ہوئے راجائی طاقت کو الہی طاقت کے نام سے منوایا گیا اور سیاسی مقاصد مذہبی تعظیم کے حیلے سے پورے کیے گئے۔ جیسا کہ آج بھی مختلف سیاسی پارٹیاں دین و مذہب کے نام پر اپنے سیاسی مقاصد پورے کرتی ہیں اور خدائی حکومت کے حیلے سے عوام کے جذبات کو بے تکلف استعمال کرتی رہتی ہیں۔

حقیقی حاکمیت الہی

غرض ان تمام نظریات میں خدا کا نام استعمال کر کے انسان کو خدائی کے اختیارات سوچے گئے اور فحشی مطلق العنانیت کو مذہب کے پردے میں چھپا کر پروان چڑھایا گیا۔ لیکن اسلام کے نظام خلافت میں اس کے برعکس خلیفہ کے تمام ذاتی اختیارات سلب کر کے اللہ تعالیٰ کے قانون کی طرف منتقل کر دیے گئے ہیں۔ خلافتِ اسلامیہ میں امیر کو نہ قانون سازی کا حق ہے، نہ ہی حکم و حکومت کا، بلکہ وہ صرف قانون الہی کی تنفیذ کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ خلیفہ کی عظمت اگر رکھی گئی ہے تو وہ اس کے ذاتی تقویٰ و طہارت اور پابندی قانون الہی کے معیار پر رکھی گئی ہے، نہ کہ خلیفہ یا امیر کا لفظ اس کے نام کے ساتھ لگ جانے کی وجہ سے۔ اس کے پاس قوانین بنانے کے اختیارات نہیں بلکہ ان کے نفاذ کے لیے کی جانے والی تدابیر کے اختیارات ہیں۔ اور اس میں تنہا خلیفہ کی شخصی رائے کو کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ اہل حل و عقد کا مشورہ بھی ضروری قرار دیا گیا تاکہ امیر میں خدائی نیابت کے نام پر شخصی اقتدار و حکمرانی کا تصور بھی پیدا نہ ہونے پائے۔

پس اللہ تعالیٰ نے آسمانی بادشاہت کی طرح زمینی بادشاہت بھی اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور یہ بھی برداشت نہیں کیا کہ زمین پہ خلافت و امارت کا نقشہ بھی کوئی انسان تجویز کرے۔ امارتِ اسلامیہ اللہ تعالیٰ کی کائنات بھر پر قائم بادشاہت و حکومت کا تسلسل ہے جس کی روح اسی آسمانی بادشاہت کے اصول و فروع ہیں، انسانوں کے تراشیدہ قوانین و آئین نہیں۔ شریعتِ اسلامیہ اس تصور سے قطعی طور پر پاک ہے کہ انسانی حاکمیت کو فروغ دینے کے لیے خدا کا نام استعمال کیا جائے۔

خلافتِ اسلامیہ کے سات اصول

۱۔ خلافت میں اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے:

جس طرح آسمانی بادشاہت میں اقتدار اعلیٰ ذاتِ باری تعالیٰ کو حاصل ہے، اسی طرح نظام خلافت میں بھی مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اور زمین میں اسی کی حکومت کی تنفیذ کے لیے اس کا نائب یا گورنر 'رسول برحق' اور 'نائب رسول' کو بنایا گیا ہے، جسے 'امیر' یا 'خلیفہ' کہتے ہیں۔ پس نظام خلافت میں حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مانی گئی ہے اور چونکہ یہ رسول اللہ کے واسطے سے مانی گئی ہے، سو رسول اور نائب رسول کی اطاعت واجب ٹھہرائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء: ٥٩)
”اے ایمان والو! تم اللہ کا کہا مانو اور رسول کا کہا مانو اور (پھر) تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں، ان کا بھی (کہا مانو)۔“

۲۔ خلافت میں میزانِ اعلیٰ یعنی مرکزِ نظام ’قانونِ شریعت‘ ہے:

خلافتِ اسلامیہ میں مرکزِ نظام اور میزانِ اعلیٰ ’قانونِ شریعت‘ ہے جس کے ذریعے اقوامِ عالم سر بلند اور سرنگوں کی جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”الميزان بيد الرحمن، يرفع أهواها ويضع آخرين“۔

”میزانِ رحمان کے ہاتھ میں ہے، جس سے وہ کسی قوم کو سر بلند کر دیتا ہے اور کسی سرنگوں“۔^۱

۳۔ خلافت میں محورِ نظام ’مجلسِ شوریٰ‘ ہے:

نظامِ خلافت میں محورِ مجلسِ شوریٰ کو بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ يَتَخَفَتُمْ﴾ (الشورى: ٢٥)

”اور ان کا ہر کام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے۔“

۴۔ خلافت کا مقصدِ اعلیٰ ’اقامتِ دین‘ ہے:

خلافتِ اسلامیہ کا مقصدِ اعلیٰ ’اقامتِ دین‘ ہے جس کا حاصل تربیت و تہذیبِ نفوس ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَلِلَّهِ غَايَةُ الْأُمُورِ﴾ (الحج: ٤١)

”یہ لوگ ایسے ہیں کہ ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور نیک کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں، اور سب کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔“

^۱ المستدرک علی الصحیحین للحاکم: کتاب التفسیر، السنۃ لابن ابی عاصم، باب المیزان بید الرحمان

۵۔ خلافت میں مصلحتِ اعلیٰ ’مسلمانوں کے مابین اخوت اور بنی نوع انسان پر شفقت‘ ہوتی ہے:

نظامِ خلافت کی سب سے بڑی مصلحت امت کے تمام مسلمانوں کے مابین اخوت و بھائی چارگی پیدا کرنا اور انھیں ایک جسم بنانا ہے، اور پھر دیگر تمام اقوام کو اپنے ماتحت لا کر انھیں دنیوی زندگی کی عافیت و شفقت دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الانبیاء: ١٠٧)

”اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ١٠)

”مسلمان تو سب بھائی بھائی ہیں۔“

خلافتِ اسلامیہ میں واجباتِ رحمت کے دو اصول:

آخری دو اصول رعایا کے واجبات سے متعلق ہیں، اسی لیے ان کو علیحدہ ذکر کیا جا رہا ہے۔

۶۔ خلافت میں حلفِ وفاداری:

خلافتِ اسلامیہ میں حلفِ وفاداری بیعتِ امیر کی صورت میں انجام پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾ (الفتح: ١٠)

”جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں، وہ تو اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔“

۷۔ خلافت میں عملی اطاعتِ شعاری:

خلافتِ اسلامیہ میں عملی اطاعتِ شعاری دراصل تمام معروف امور میں امیر یا خلیفہ کی سب سے طاعت کی صورت میں ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”إِسْمَعُ وَأَطِعْ وَلَوْ غَبْنًا خَبَشِيًّا مُجَدَّعًا“۔

”سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ امیر بنا دیا جائے، جس کے اعضاء

بھی صحیح سالم نہ ہوں (یعنی بظاہر وہ حقیر و ذلیل سمجھا جاتا ہو)۔“^۲

^۲ صحیح ابن حبان

پس آسانی بادرشاہت کے نقوش پر خلافتِ اسلامیہ کے بھی سات اصول وارکان ہوتے ہیں: خلیفہ، مجلس شوریٰ، قانونِ شریعت، اقامتِ دین، اخوة و مساوات، بیعتِ خالص اور سمع و طاعت۔

چنانچہ واضح ہوا کہ خلافتِ اسلامیہ یا اسلامی حکومت کے نام سے صرف وہی حکومت قابلِ تسلیم ہے جس میں آسانی بادرشاہت کے یہ ساتوں اصولی نمونے پائے جائیں اور اس کی عمارت انھی سات ستونوں پر قائم ہو۔ اب اگر کہیں اسلامی حکومت کے نام پر شخصی یا قبائلی یا پارٹی اقتدار قائم کیا جائے تو وہ ہرگز خلافت نہیں بلکہ خلافت کی ضد ہوگی۔ کسی بھی سلطنت کی تعمیر میں اگر ان سات اصولوں کی مخالفت ہوگی تو وہ کسی طرح بھی ایک خالص اسلامی خلافت کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی۔

خلافتِ اسلامیہ انسانوں کے بنائے ہوئے سیاسی نظاموں کو رد کرتی ہے

مذکورہ بالا سات اصولوں کی بنیاد پر جب خلافت کی عمارت تعمیر کی جائے گی تو خود بخود اسلامی سلطنت کے ایسے مظاہر نمودار ہو جائیں گے جن کے ذریعے انسانوں کی قائم کردہ حکومتوں اور اصطلاحی سیاستوں کی جڑ کٹ جائے گی۔ ان حکومتوں اور سیاستوں نے انسانوں کو قانون سازی کے خدائی اختیارات دے کر انسانی معاشرے کو بد اخلاقیوں، بد اعمالیوں اور باہمی پھوٹ کا شکار بنا ڈالا ہے اور دنیا کے امن و سکون کو بے معنی کر کے رکھ چھوڑا ہے۔

اب ہم نظامِ خلافت کے کچھ اثرات کا تذکرہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ کیسے انسانوں کے بنائے ہوئے سیاسی نظاموں کو رد کرتے ہیں۔

قانونِ الہی کی پابندی کے صالح اثرات

امیر یا خلیفہ کے ساتھ جب میزانِ اعلیٰ یعنی قانونِ شریعت کو جوڑ دیا گیا تو نتیجتاً اب اس امارت میں انسانوں کی قانون سازی تو کجا، کوئی ایک ایسا اختراعی قانون بھی استعمال نہیں ہو سکتا جو انسانی دماغ کی پیداوار ہو۔ کیونکہ انسان کا علم بھی محدود ہے اور اس کی عقل بھی ہر قسم کے نفع و نقصان کا احاطہ نہیں کر سکتی، نیز وہ خود غرضی کی تہمت سے متہم بھی ہے کہ قانون سازی میں اپنا، اپنے قبیلے اور اپنی قوم کا نفع دوسروں پر مقدم رکھے گا۔

پس اگر کسی ضابطے کی جگہ محض انسانی منشاء حکمران ہو تو یہ خالص استبداد ہے، اور اگر قانون تو ہو مگر خود انسان کا اختراع شدہ ہو تو وہ خود غرضی کی تہمت سے بری نہیں۔ چنانچہ یہ دونوں صورتیں

قابلِ قبول نہیں۔ قانون وہی معتبر اور سارے انسانوں کے حق میں مفید ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہو اور وہ ”قانونِ شریعت“ ہے جسے آپ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ خلیفہ بھی اسی کا پابند ہے اور رعایا بھی اسی کی ماتحت۔ اس طرح خلیفہ کی مطلق العنانیت بھی ختم ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ عوام کی حکومت کا فلسفہ بھی رد ہو جاتا ہے۔ پس اگر خلافت میں بسنے والی پوری رعایا قانون کے سلسلے میں امیر کے سامنے جواب دہ ہے تو امیر خود اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے۔ اسلام میں امیر ”امیر مطلق“ نہیں بلکہ ”امیر پابند“ ہے، یعنی وہ قانونِ شریعت کی گرفت میں جکڑا ہوا ہے اور اسے کسی حال میں بھی ذاتی آزادی اور ذاتی خواہشات کی مطلق العنانیت حاصل نہیں۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ حکومت فی الحقیقت ”قانون سازی“ کا نام ہے جبکہ قانون کی تنفیذ اور اس کا اجرا حکومت نہیں بلکہ اطاعتِ حکومت ہے۔ سو قانون سازی حقیقتاً حکمران ہوتا ہے۔ خواہ وہ فرد ہو یا عوام۔ اور ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ قانون سازی نہ انسان کا حق ہے اور نہ ہی وہ اس پر قدرت رکھتا ہے بلکہ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو تمام انسانوں کا خالق و مالک ہے۔ اس لیے حکم اور حکومت بھی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہی حق ہے جس میں کسی مخلوق کی کوئی سی بھی شرکت نہیں ہو سکتی۔

﴿إِن الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (یوسف: ۴۰)

”حکم صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔“

چنانچہ قرآن حکیم نے اقتدارِ اعلیٰ اور قانونِ اعلیٰ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اس کی ذاتی یکتائی اور لاشریکی کے ساتھ ساتھ ملک و سلطنت کے بارے میں بھی یکتا اور لاشریک ٹھہرایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي يَرْزُقُ الْفُقَرَاءَ عَلَى عَنبٍ وَيَتَوَكَّلُ عَلَى الْعَرْشِ ذَبِيرًا (۱) الَّذِي لَهُ مُلْكُ

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ يَفْجُرُ الْوَلَدُ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ (الفرقان: ۱۰)

”بڑی عالی شان ذات ہے وہ جس نے یہ کتابِ فرقان اپنے بندہ خاص پر نازل فرمائی تاکہ وہ تمام دنیا والوں کے حق میں ڈرانے والا ہو۔ وہ ایسی ذات ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے اور اس نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا، اور حکومت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔“

قانون سازی غیر اللہ کا حق نہیں:

پس امیر پابند حکم ہے، خود حاکم نہیں ہے۔ وہ حکم الہی کا مقتید ہے، مطلق العنان نہیں ہے۔ وہ صرف زمین پر قانون الہی کی تنفیذ کا ذمہ دار ہے، قانون ساز نہیں ہے۔ اس سے قدرتی طور پر قانون ساز اسمبلیوں، قانون ساز کمیٹیوں اور انسانی اقتدار کی علم بردار جماعتوں کی بھی چرکت جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ سارے انسان مل کر بھی اس قدر علم نہیں رکھتے کہ عالمگیر منافع کا کوئی قانون محض اپنے دل و دماغ سے تیار کر سکیں بلکہ اس قانون میں جگہ جگہ اتنی ہی کوتاہیاں ہوں گی جتنی کوتاہیاں خود انسانوں کے علم و عقل میں ہیں۔ لہذا وہ سلطنت کبھی بھی اسلامی سلطنت یا خلافت نہیں کہلا سکتی جس میں قانون سازی میں انسان کا حق تسلیم کیا گیا ہو اور حکمرانی کا منصب انسانوں کو دیا جا رہا ہو۔ یہ تو رب تعالیٰ کی صفت ملکیت میں بھی شرک ہے اور اس کی صفت علم میں بھی شرک ہے اور اس روح عبدیت کے متنافی بھی ہے جس کے لیے انسان دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہی انسانی حکومت انسانیت میں فتنہ و فساد کی جڑ اور بنیاد بھی ہے کیونکہ کوئی انسان بھی دوسرے انسان کی حکومت و فوقیت تسلیم نہیں کر سکتا، کہ انسان سب برابر ہیں۔ اور اگر جبراً تسلیم کرائی جائے گی تو یہیں سے انکار و بغاوت کا فتنہ سراٹھائے گا جس سے فسادات، عداوتیں اور لعن و طعن وغیرہ کی حرکات رونما ہوں گی اور ایسی ریاست و حکومت منبع فساد ثابت ہوگی۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

”خَيْرُ أُمَّتِكُمْ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَتُحِبُّونَكُمْ وَتُحِبُّونَهُمْ وَتُحِبُّونَكُمْ وَتُحِبُّونَهُمْ وَتُحِبُّونَكُمْ“

”تمہارے بہترین اسرا وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت رکھیں، تم ان پر رحمت بھیجو اور وہ تم پر رحمت بھیجیں، اور تمہارے بدترین اسرا وہ ہیں کہ تمہیں ان سے بغض ہو اور انہیں تم سے بغض ہو، تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر بھیجیں۔“^۳

پس ایک اللہ تعالیٰ ہی کی ذات بابرکت ہے جس کی حکمرانی بلا استثناسازی کا نکتہ تسلیم کر سکتی ہے اور تمام عالم کا سیاسی فساد ختم ہو سکتا ہے، سو اسی کو اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

^۳ المصحيح لمسلم: كتاب الإمارة، باب خيار الأئمة وشرارهم

خلافت میں شوریٰ کے صالح اثرات

مجلس شوریٰ کی ضرورت:

پھر اقتدار اعلیٰ اور قانون شریعت کے ساتھ جب مجلس شوریٰ کو نکھی کر دیا جائے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام میں ’قانون سازی‘ کے لیے تو کسی مجلس کا قیام عمل میں نہیں لایا جاسکتا لیکن ’قانون فہمی‘ کے لیے مجلس ناگزیر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خلافت میں حکمرانی قانون شریعت کی ہے اور یہ انسانوں کا تجویز کردہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا قانون ہے جو تمام انسانی دماغوں کے ہر ہر گوشہ پر محیط ہے، لہذا اس کے جامع احکامات میں سے مناسب وقت پر مناسب ہدایت اخذ کرنے کے لیے ایک دماغ کافی نہیں بلکہ یہ اہلیت کے حامل کئی دماغوں کا کام ہے۔ چنانچہ امیر اور قانون شریعت کے ساتھ مجلس شوریٰ کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔

شوریٰ کا فریضہ منصبی:

پس شوریٰ کا اہم اور بنیادی کام یہ ہے کہ امیر کو نہ قانون شریعت سے باہر جانے دے اور نہ قانون کے اندر غلط روی اختیار کرنے دے۔ اس لیے اسلام میں امیر کو مجلس شوریٰ سے مشورہ لینے کا پابند بنایا گیا۔ اسلام نے تنفیذ قوانین، تحفظ ملک و ملت کی تدابیر، اندرونی واقعات و حالات کے مطابق احکام و مسائل کا انتخاب اور وقت کے مناسب احکام سے جزئیات کا استنباط جیسے اہم امور میں امیر کے لیے مشورہ واجب قرار دیا اور یوں مجلس شوریٰ کو امارت اسلامیہ کا بنیادی جزو بنا دیا ہے۔ پس اسلام میں ’امارت مطلقہ‘ نہیں بلکہ ’امارت شورائیہ‘ ہے۔

ڈکٹیٹر شپ اور استبداد کی نفی، نیز خاندانی موروثیت کا رد:

یوں خلیفہ کے ساتھ مجلس شوریٰ کا جو رلگا دینے سے ایک طرف تو شخصی سلطنت اور استبداد کی جڑ کٹ جاتی ہے اور ڈکٹیٹر شپ کسی فحش سے بھی اسلامی چیز قرار نہیں پاتی، ساتھ ہی موروثیت اور خاندانی گندی نشینی کا فلسفہ بھی رد ہو جاتا ہے اور امیر صالح کا انتخاب اساسی چیز قرار پاتا ہے۔

نیز اس سے ’اہل حل و عقد‘ (یعنی مجلس شوریٰ) کا سب سے اہم اور نازک فریضہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ بیدار مغزی اور اعلیٰ ترین فکر و نظر سے ایسی موزوں شخصیت کا انتخاب کریں جو دنیائے خلافت کی سرداری کے لیے اہل اور مناسب ترین ہو۔

پس جس سلطنت کی عمارت ڈکٹیٹر شپ کی بنیاد پر کھڑی ہو یا جس کا بنیادی اصول صلاح و رشد سے قطع نظر کر کے محض خاندانیت اور موروثیت ہو تو یقیناً یہ کوئی شرعی اور اسلامی اصول نہ ہو گا۔

امیر اور حق فیصلہ:

پھر مشورہ لینے کا پابند کر دینے کے باوجود تمام کاموں کا آخری مرجع خلیفہ ہی کو قرار دیا گیا ہے، یعنی مشورے کے بعد فیصلہ کرنا خلیفہ ہی کا کام ہے، شوریٰ کا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خلیفہ جن امور کو مجلس شوریٰ میں زیر بحث لائے گا تو ان میں کئی آراء سامنے آئیں گی، اگر ایسے میں شوریٰ ہی کو فیصلے کا حق دیا جائے تو شوریٰ کا ہر فرد اپنی رائے کو رائج قرار دے گا اور یوں اختلاف برقرار رہے گا جبکہ فیصلہ نہ ہو پائے گا۔ مجلس شوریٰ میں اختلاف رائے خود ہی عدم فیصلہ کی دلیل ہے۔ پس جو فیصلہ نہیں کر سکتا، اسے فیصلے کا مالک کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ شریعت کے ساتھ ساتھ عقل کا بھی یہی تقاضا ہے۔ چنانچہ فیصلے کا اختیار خلیفہ ہی کے پاس ہے اور اسی کا کام ہے کہ وہ آراء میں سے موزوں ترین رائے کا انتخاب کرے۔

شوریٰ کے اسلامی تصور سے کثرت رائے (جمہوریت) کی نفی:

پس یہ شرعی اصول اس فلسفے (یعنی جمہوریت) کی جڑ ہی کاٹ دیتا ہے کہ فیصلے کی بنیاد کثرت رائے ہے، کیونکہ امیر منتخب شوریٰ کی آراء میں رائے شاری اور اکثریت و اقلیت کا پابند نہیں بلکہ قوت و دلیل کا پابند ہے۔ پس قوت و دلیل اسامی چیز ہے، نہ کہ کثرت رائے۔ دین اسلام میں انسانوں کی اکثریت کا کسی ایک جانب آجانا حق و باطل کا فیصلہ کرنے کے لیے کوئی بنیادی حیثیت نہیں رکھتا۔ اسی لیے اکثریت کو قرآن حکیم نے حد درجہ غیر اہم ٹھہرایا ہے اور دین و ملک اور دیانت و سیاست کے تمام ہی دائروں میں اکثریت کی بے وقعتی اور بے اعتباری کھلے لفظوں میں بیان کی ہے۔ قرآن حکیم میں ایک سے زائد جگہوں پر ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ (یوسف: ۸۳)
 ﴿وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (ہود: ۱۷)
 اور اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے گو آپ کا کیسا ہی جی چاہتا ہو۔
 ”لیکن اکثر آدمی ایمان نہیں لاتے۔“

﴿بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾

(العنکبوت: ۲۵)

﴿وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾

(الأعراف: ۱۷۷)

﴿وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ يَجْعَلُونَ﴾

(الأنعام: ۱۱۳)

﴿بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ﴾

﴿فَهُمْ مُّعْرِضُونَ﴾ (الأنبیاء: ۲۴)

﴿وَمَا يَتَّبِعْ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ﴾

﴿الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾

(یونس: ۳۶)

﴿وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ﴾

﴿وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ﴾

(الأعراف: ۱۰۲)

﴿وَلَقَدْ صَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ﴾

﴿الْأُولَئِينَ﴾ (الصافات: ۱۱)

﴿لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَى أَكْثَرِهِمْ﴾

﴿فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (یس: ۷)

﴿وَكُفِّرُوا عَنْ عَذَابِ﴾

(الحج: ۱۰)

﴿كَفَرٍ مِنْ فَتْنَةٍ فَمُسَلَّتْ غَلَبَتِ فِتْنَةُ﴾

﴿كَوْثَرٍ فَإِذَا يَذُنُّ اللَّهُ﴾ (البقرة: ۲۵۹)

”بھیجتے۔“

”اور لیکن اکثر آدمی علم نہیں

رکھتے۔“

”لیکن ان میں سے اکثر لوگ جہالت

کی باتیں کرتے ہیں۔“

”اور ان میں اکثر آدمی حق کو نہیں

جانتے بلکہ اس سے منہ پھیرنے والے

ہیں۔“

”اور ان میں سے اکثر لوگ صرف

بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور

یقیناً بے اصل خیالات امر حق میں ذرا

بھی مفید نہیں۔“

”اور اکثر لوگوں میں ہم نے دفائے

عہد نہ دیکھی، اور ان میں سے اکثر

جھوٹے ہیں۔“

”اور ان سے پہلے بھی اگلے لوگوں

میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں۔“

”ان میں سے اکثر لوگوں پر بات

ثابت ہو چکی ہے، سو یہ لوگ ایمان نہ

لائیں گے۔“

”اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب

ثابت ہو گیا ہے۔“

”بارہا چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی

جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب

آئیں۔

”اللہ تعالیٰ نے بے شمار مواقع پر تمہاری مدد کی اور حسین کے دن بھی کی، جبکہ تمہیں تمہاری کثرت نے دھوکے میں ڈال دیا تھا، پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باد جو اپنی فراخی کے تم پر تنگ ہونے لگی، پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔“

”آپ فرما دیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں، گو تمہیں ناپاک کی کثرت تعجب میں ڈالتی ہو۔“

”اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا نہ لگیں تو آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں، اور وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور انکل بچو لڑاتے ہیں۔“

پس قرآن نے دنیا کی اکثریت سے ایمان کی نفی کی، عقل کی نفی کی، علم کی نفی کی، محبت حق کی نفی کی، تحقیق کی نفی کی، بیداری اور فہم کی نفی کی، ایقائے عہد کی نفی کی، ہدایت کی نفی کی، ثوابِ آخرت اور جنتی ہونے کی نفی کی، جہاد میں اکثریت کے گھمنڈ پر فتح و نصرت کی نفی کی، اور قابل استعمال اشیاء میں اکثریت کے معیار پر حلال و طیب ہونے کی نفی کی۔ گویا واضح کر دیا کہ دنیا میں ہر دائرے کی اکثریت معیار حق تو کیا ہوتی، مرکز باطل ہے۔ کیونکہ امر واقع یہ ہے کہ دنیا کی اکثریت حماقت، جہالت، کراہت حق، انکل کی پیروی، غفلت، بد عہدی، ضلالت، عذابِ آخری، جہنم رسیدگی اور

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَزَحْتُمْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ﴾
(التوبة: ٢٥)

﴿قُلْ لَا يَنْفَعُ الْإِنْسَانَ الْغَنِيُّ وَالْظَنُّ وَلَا أَنْ يَأْتِيَ الْكُفْرَ الْغَنِيُّ﴾
(البقرة: ١٠٠)

﴿وَإِنْ تُطِيعُوا أَهْلَ الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَإِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُضُونَ﴾ (الأنعام: ١١٠)

حکمت خوردگی وغیرہ کا شکار ہے۔ چنانچہ محض عددی اکثریت اسلام کے مطابق کہاں قابل وقعت قرار پاسکتی تھی کہ اسے حقوق کے لیے فیصلہ کن اصول تسلیم کیا جاتا اور امیر کو اس کا پابند کر دیا جاتا؟

کثرتِ رائے کب اور کس شرط پر معتبر ہے:

شریعت کی رو سے کثرتِ رائے صرف ایک صورت میں معتبر ہے، جب مسئلے کے دو پہلو ہوں اور دونوں ہی مباح ہوں۔ ایسے میں کثرتِ رائے کے ذریعے کسی ایک پہلو کو ترجیح دی جاسکتی ہے، مگر اس کے لیے بھی کچھ شرائط ہیں۔ مثلاً یہ کہ:

- یہ اکثریت دیانتدار لوگوں کی ہونی چاہیے، ورنہ خائوں اور فاسقوں کی اکثریت کے مقابلے میں بلاشبہ ان افراد کی اقلیت قابل ترجیح ہوگی جن کی دیانت و امانت مسلم اور جن کا فہم و ذوق سلیم معروف ہو۔
- ایک پہلو کو دوسرے پر ترجیح دینے سے منصوص احکامات میں خلل نہ پڑے۔
- اکثریت جس پہلو کو ترجیح دے اس پر اتنا زور بھی نہ دیا جائے کہ جانب مخالف قابل ملامت قرار پا جائے۔ یعنی اگر کسی مباح کام کے متعلق (جس کے کرنے یا نہ کرنے کا شریعت نے اختیار دیا ہے) کثرتِ رائے سے اس کا کرنا ترجیح پا جائے تو اس کام کے ترک کو مکروہ یا ممنوع نہ ٹھہرایا جائے، اور اسی طرح اگر اس کام کو ترک کرنا راجح قرار پائے تو اس کام کا کرنا قابل تکیر و ملامت نہ سمجھا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو وہ کام مباح نہیں رہے گا بلکہ اباحت کی حدود سے نکل کر واجب یا حرام کی حدود میں آجائے گا اور کسی مباح کام کو واجب و حرام بنانا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حق نہیں۔ پس اگر ایسا کیا گیا تو یہ بدعت کہلائے گا جس کی مذمت سے شریعت بھری پڑی ہے۔

اکثریت بھی عوام کی نہیں بلکہ ان اہل علم و فضل کی معتبر ہے جو ذوق تشریع اور حکمتِ شریعت سے بہرہ ور ہوں، ورنہ عوام الناس کی اکثریت اگر کلیتاً بھی کسی مسئلے پر متفق ہو جائے تو اس کی کوئی وقعت نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اکثریت اسی وقت معتبر ہے جب مسئلہ مباحات میں سے ہو اور اکثریت عوام کی بجائے اہل علم و فضل کی ہو اور وہ اکثریت بھی اپنی حدود میں رہے۔ پس منصوصات یعنی فرائض

وواجبات، سنن و مستحبات اور مکروہات و محرمات وغیرہ میں کثرت رائے کا کچھ اعتبار نہیں۔ یوں یہ دائرہ کار بہت ہی تنگ ہو جاتا ہے۔

خلیفہ اکثریت کا پابند نہیں

پھر ساری شروط جمع بھی ہو جائیں مگر معاملہ حقوق کا ہو تو اس میں محض عددی اکثریت اس وقت تک کوئی حجت نہیں رکھتی جب تک قواعد شرعیہ اس کی موافقت نہ کریں۔ پس اصل فیصلہ قواعد شرعیہ کی بنا پر ہو گا، نہ کہ اکثریت کے جمع ہو جانے پر۔ اور خلیفہ کو مطلقاً اس عددی اکثریت کا تابع اور محکوم قرار دیا جانا بلاشبہ قواعد شرعیہ کے خلاف ہے۔ اس لیے خلیفہ محکوم اکثریت نہیں ہو سکتا ورنہ خلیفہ کی محکومیت آمریت شوریٰ اور مجبوریٰ امیر پر منتج ہوگی جس کا حاصل لامر کزیت و انتشار ہو گا۔

بہر حال امارت بلا شوریٰ استبداد اور ڈکٹیٹری ہے اور شوریٰ بلا امیر لامر کزیت و انتشار ہے۔ اسلام نے نہ جمہوریت کی افراط باقی رکھی ہے اور نہ موروثی شخصیت کی تفریط، بلکہ امارت شوراسیہ میں حقیقی اعتدال و جامعیت پیدا کر کے اسے کامل بیت انتظامی عطا کر دی ہے جو اسلام ہی کی عالمگیر شان ہو سکتی تھی۔ اسلام نے اپنی کمال جامعیت سے خلیفہ و امیر کو فیصلے کا اختیار دے کر اور تمام مسلمانوں پر اس کی اطاعت لازم قرار دے کر لامر کزیت کو ختم کر دیا ہے تاکہ خلافت اسلامیہ عوام الناس کی نفسانی خواہشات و مطالبات کے سپرد نہ ہو جائے، اور ساتھ ہی با اثر شوریٰ رکھ کر امیر کے استبداد اور مطلق العنانی کو توڑ دیا ہے تاکہ پوری امت انفرادیت اور شخصی جذبات و تہیز کا شکار نہ بن جائے۔ پس اسلام میں خلیفہ و امیر محتاج مشورہ بھی ہے اور صاحب عزم بھی۔ انھی دونوں مقاموں کو قرآن نے جمع فرما کر اعلان کیا ہے:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَلَّ عَلَى اللَّهِ﴾ (آل عمران: ۱۵۹)

”اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجیے، پھر جب آپ عزم کر لیں (یعنی کسی ایک رائے کو اختیار کر لیں) تو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کیجیے۔“

مقصد خلافت کے صالح اثرات اور پارٹی سسٹم کا رد

پھر نظام خلافت میں امیر عام، قانون شریعت اور مجلس شوریٰ کے ساتھ مقصد اعلیٰ یعنی 'اقامت دین کے ذریعے تہذیب نفوس' شامل کر دینے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی امارت کا نصب العین نہ

ہو گا، نہ قوموں کو غلام بنانا، نہ تکثیر دولت ہے، نہ تجارت، نہ روٹی ہے اور نہ ہی کر سی۔ صرف ایک ہی نصب العین ہے کہ انسانوں کو گمراہیوں سے نکال کر راہ راست پر لایا جائے اور انھیں رب واحد کی بندگی سکھائی جائے، تاکہ دنیا میں توحید غالب ہو اور ہدی مغلوب ہو جائے۔

اب جبکہ خلافت کا نصب العین الہی راستہ ٹھہر اور اس پر چل کر روحانیت کی تکمیل اور مادیت کی اصلاح اس کی غرض و غایت ٹھہری۔ تو اسی سے یہ بھی نمایاں ہو جاتا ہے کہ خلافت اسلامیہ مختلف احوال پارٹیوں کا ہتھیار نہیں بن سکتی، کہ مختلف پارٹیاں ووٹ کی طاقت سے برسر اقتدار آکر اپنے اپنے نظریات کو پھیلنے اور پھیلنے کا موقع دیں۔ خلافت اسلامیہ کے نصب العین میں مختلف نظریات کی بحث ان نہیں آتی، کیونکہ یہاں تو صحیح عقیدے اور سچی فکر کے ساتھ انسانیت کی تکمیل کر کے اسے بارگاہ الہی تک باریاب کرنا مقصود ہے، عامۃ الناس کے وسوس اور پر آگندہ خیالات کو پرورش دے کر دنیا کو ذہنی انتشار میں مبتلا کرنا اور ان کی ایک جہتی کو پامال کر دینا مقصود نہیں۔ پس خلافت ہدایت و بھلائی کا باعث ہوتی ہے، فساد اور شرارتوں کا مخزن نہیں ہوتی۔

چنانچہ اس نصب العین سے پارٹی سسٹم کی جرئت جاتی ہے جہاں مختلف پارٹیاں اپنے اپنے لیڈران کی لیر سر کر دگی مختلف نصب العینوں کی حکمرانی کے لیے عوام سے ووٹ حاصل کر کے برسر اقتدار آتی ہیں اور عوام الناس کو پر آگندہ خیال کا شکار بنا کر ان کا دین و دنیا تباہ کر دیتی ہیں۔ پس جو حکومت کسی پارٹی سسٹم کے اصول پر قائم ہوگی۔ جس میں ایک لیڈر خود اپنا انتخاب کر کے عوام کے ووٹ سے حکومت میں شامل ہوتا ہے۔ وہ یقیناً اسلامی حکومت نہ ہوگی، بلکہ ایک ایسی حکومت ہوگی جس میں اصلاح پر فساد اور امن و سکون پر بے چینی، اضطراب غالب ہو گا اور وہ کبھی بھی عوام کے لیے سکون و اطمینان کا سامان مہیا نہ کر سکے گی۔

امیر جہاد شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ نے فرمایا

باطل کے بتوں کو توڑ ڈالو اور اس کی جگہ عدل و ایمان کا نظام نافذ کرو

”اے فرزندانِ امت! تم اس وقت بہت ہی اہم موڑ پر کھڑے ہو۔ ظالم حکمرانوں کی خواہشات اور انسانوں کے وضع کردہ قوانین کی بندگی سے نجات حاصل کرنے، مغربی تسلط سے رہائی پانے اور امت کو بیدار کرنے کا بہت ہی نادر موقع تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ پس بہت ہی بڑا گناہ اور جہالت ہوگی اگر تم اس موقع کو ضائع کر دو جس کا انتظار یہ امت دہائیوں سے کر رہی تھی۔ اسے غنیمت جانو اور باطل کے بتوں کو توڑ ڈالو اور اس کی جگہ عدل و ایمان کا نظام نافذ کر دو۔“

امیر تنظیم القاعدہ شیخ ایمن الظواہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ہم اہل فلسطین سے یحییٰ کا اظہار کرتے ہیں

”ہم افغانستان، پاکستان، عراق، صومالیہ، جزیرہ عرب اور مغرب اسلامی میں برسرِ پیکار ہر مجاہد کو یہ تاکید کرتے ہیں کہ وہ صلیبیوں اور ان کے حواریوں کے خلاف اپنی سعی میں مزید اضافہ کر دے۔ اور ہم فلسطین کے مجاہدین سے بھی یحییٰ کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم ان سے اور بیت المقدس کے گرد بسنے والے صابر و مرابط مسلمانوں سے یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم امریکہ کو امن سے محروم کرنے کی کوشش میں کوئی کسر نہ اٹھارہیں گے یہاں تک کہ آپ کو فلسطین میں امن حاصل ہو جائے۔ اہل فلسطین نے شیخ (اسامہ رحمہ اللہ) کی شہادت کے موقع پر جن جذبات کا اظہار کیا، ہم اس پہ ان کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں۔ بلاشبہ ان کا ایسا کرنا امریکہ سے بغض کا واضح اعلان تھا۔“

اے مسلمانانِ پاکستان! تیونس، مصر، لیبیا، یمن اور شام کے مسلمانوں کی طرح تم بھی اٹھ کھڑے

ہو!

”ہم پاکستان کے مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دلاتے ہیں کہ وہ بھکاری فوج اور

رشوت خور سیاستدانوں سے چھٹکارا پانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ یہی وہ طبقات ہیں جو

متاخذین جہاد کے اقوال

جمع و تہیہ: حسن حبیب

امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ فرماتے ہیں

امت کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لیے لازم ہے کہ ہم احکامِ الہی پر کاربند ہوں

”ہم دنیا بھر کے مسلمانوں کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول یاد دلاتے ہیں کہ ہم وہ قوم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے عزت دی، اب اگر ہم نے اس کے علاوہ کسی شے میں عزت تلاش کی تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر دیں گے۔ چنانچہ امت کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لیے لازم ہے کہ ہم احکامِ الہی پر کاربند ہوں، دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی نصرت کریں، اور ظالموں اور سرکشوں کے خلاف جاری جہادی تحریک کا حصہ بننے ہوئے خود کو فہم و فراست اور حکمت کے زیور سے مزین کریں۔“

آپ کے حقوق غصب کر رہے ہیں اور انہی نے پاکستان کو امریکی کالونی میں بدل ڈالا ہے۔ یہ لوگ جسے چاہتے ہیں قتل کرتے ہیں، جسے چاہتے ہیں گرفتار کر لیتے ہیں اور جس چیز کو چاہتے ہیں تباہ کر ڈالتے ہیں۔ یہ وہی فوج اور سیاستدان ہیں جنہوں نے پاکستان کی عزت و کرامت کو مٹھی بھر ڈالروں کے عوض بیچ ڈالا ہے۔ اے مسلمانان پاکستان! تیونس، مصر، لیبیا، یمن اور شام کے مسلمانوں کی طرح تم بھی اٹھ کھڑے ہو اور اپنے دامن سے غبارِ ذلت جھاڑ ڈالو! (بڑھو اور) ان لوگوں سے نجات حاصل کرو جنہوں نے تمہیں امریکہ کے لیے جس بازار بنا چھوڑا ہے۔“

شیخ ابو یحییٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

عظمت و رفعت بلا قیمت حاصل نہیں ہوتی

”عظمت و رفعت بلا قیمت حاصل نہیں ہوتی، نہ ہی قربانی دیے بغیر قومیں معزز بن سکتی ہیں۔ بزدل شخص، چاہے اس کا نیزہ کتنا ہی لمبا ہو یا اس کی تلوار کتنی ہی تیز، ناکام ہی رہتا ہے، جب تک وہ اپنے دل میں حوصلہ پیدا نہیں کر لیتا اور اپنی روح کو فخر سے آشنا نہیں کرا لیتا۔ پس جب تم اپنے دل کو پاکیزہ و منور اور اپنی تلوار کو خودی سے بہرہ ور کر لو گے تو ظلم تمہارا راستہ ترک کر دے گا۔ جو لوگ عظمت کی راہ تلوار کی نوک سے بناتے ہیں، وہ عزت سے جیتے ہیں یا پھر قابلِ رشک موت ان کا استقبال کرتی ہے۔“

امیر تنظیم القاعدہ (بلاذخر اسان) شیخ عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

علمائے سوتے تعلیم کے آداب

”جہاد سے روکنے اور ناکل جہاد کے خلاف بے جا زبان درازی کرنے والے علمائے سوء کے حوالے سے ہم اپنے نوجوانوں کو یہی نصیحت کریں گے کہ: ایسے علماء کو ان کے حال پر چھوڑ دیں اور ان سے مت الگ ہوں۔ آپ اپنا کام کرتے رہیں اور مضبوطی سے اپنے رستے پر قائم رہیں، ان شاء اللہ یہ آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ نیز یہ بھی یاد رکھیے کہ ظلم و زیادتی کسی پر بھی جائز نہیں،

لو اودہ کوئی عالم سورہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ بھی مت بھولیے کہ ایک انسان میں شر کے ساتھ ساتھ خیر کی پائی جاسکتی ہے اور ایک ہی شخص میں فسق اور ایمان دونوں جمع ہو سکتے ہیں؛ اور جو شخص بھی مسلمان ہو بہر حال اس میں کچھ نہ کچھ خیر تو ضرور ہوگی۔ اسی لیے کسی مسلمان پر شرعی حکم لگانے میں جائز حدود سے تجاوز نہ کریں، نہ ہی ایسے مسائل میں زبان کھولیں جن کا علم آپ کے پاس نہیں اور جن پر گفتگو کے لیے درکار صلاحیت آپ میں موجود نہیں۔ یہ میدان آپ ان جہادی علماء کے لیے چھوڑ دیں جن پر آپ کو اعتماد ہے اور خود یہی کہیں کہ: ”لا أدري“ (مجھے نہیں معلوم)؛ اگر آپ نے یہ رویہ اپنالیا، تو میرے عزیز بھائیو! مجھے قوی امید ہے کہ اللہ آپ کی مدد فرمائیں گے اور آپ کو ہدایت پر قائم رہنے کی توفیق بخشیں گے۔“

امیر حرکتہ الشباب الجہادین (صومالیہ) شیخ ابو زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں

عظمت امت کی بحالی اور شریعت کا قیام جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر ممکن نہیں

”دین اسلام کا غلبہ سستے داموں ممکن نہیں، اسی لیے ہم اس کی قیمت کے طور پر اپنا اور اپنے پیاروں کا خون پیش کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ مجاہدین، اسلام کے جھنڈے کو سرنگوں نہیں ہونے دیں گے۔ ہم یہ حقیقت اچھی طرح جان چکے ہیں کہ عظمت امت کی بحالی اور شریعت الہیہ کے قیام کی خاطر جہاد کرنا اور اللہ کے دشمنوں سے معرکوں میں نہرِ آرمہونا لازم ہے۔“

امیر تنظیم القاعدہ (جزیرہ عرب) شیخ ابو بصیر الوحشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ہمارے جہاد کا مقصد

”ہمارے اس جہاد کا مقصد جزیرہ عرب سے قابض افواج کا اخراج، ان کے ناپاک وجود سے اس مقدس زمین کی تطہیر، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کا نفاذ، خلافت علیٰ منہاج النبوة کا احیاء، کلمہ توحید کی سر بلندی، ظالموں کا مقابلہ اور مظلومین کی نصرت کرنا ہے۔“

شیخ انور العولقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

لوگو! یہ خیر البشر ﷺ کی عزت کا معاملہ ہے

”ان شاء اللہ ہم اپنے محبوب نبی ﷺ کی عزت کے دفاع سے کبھی دستبردار نہیں ہوں گے۔ ہم آپ ﷺ کی خاطر لڑتے رہیں گے، ہم اس معاملے پر مسلم امت کے جذبات کبھی سرد نہ ہونے دیں گے اور یہ کفار ملعونین ہر دم ہمارے ہوں اور گولیوں کے نشانوں پر رہیں گے۔ ہماری مائیں ہم پر روئیں اگر ہم اپنے نبی ﷺ کے دفاع کے لیے نہ اٹھیں۔ لوگو! یہ خیر البشر ﷺ کی عزت کا معاملہ ہے۔ اس کے بدلے تو پوری دنیا کا آگ میں جل جانا بھی کوئی معنی نہیں رکھتا!“

امیر امارت اسلامیہ (قو قاز) شیخ ابو عثمان دد کو معروف رحمہ اللہ فرماتے ہیں

اگر ہمارا ایمان مضبوط اور نیت خالص ہو تو اللہ جل جلالہ ضرور ہماری نصرت فرمائیں گے ”مسلمانوں کی فتح و نصرت کا تعلق کفار و منافقین کی قوت سے ہرگز نہیں، اس کا تعلق خود مسلمانوں سے ہے۔ اگر ہمارا ایمان مضبوط اور نیت خالص ہو تو اللہ جل جلالہ ہماری نصرت فرمائیں گے۔ لہذا ہر مجاہد کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان کو مضبوط تر کرنے کی فکر میں لگا رہے، صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھے اور تلاوت قرآن، نوافل، دعا اور تہجد میں دوسروں سے بڑھ کر مجاہدہ کرے۔“

امیر تنظیم القاعدہ (مغرب اسلامی) شیخ ابو مصعب عبد الوہود رحمہ اللہ فرماتے ہیں

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ حقائق کی معرفت کے لیے مجاہدین کی جاری کردہ خبروں ہی پر اعتماد کریں ”مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مجاہدین کے بارے میں مرتد حکومتوں کے پھیلائے ہوئے جھوٹ پر ہرگز اعتماد نہ کریں اور حقائق کی معرفت کے لیے صرف اور صرف مجاہدین کی جاری کردہ خبروں اور بیانات کی طرف رجوع کریں۔“

مرتدین کی نجات کا راستہ

”مرتدین سے ہم کہتے ہیں کہ تمہاری نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے دربار میں توبہ کر لو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف شروع کر دو اپنی جنگ کو بند کر دو، کفار سے دوستی ترک کر دو اور امت مسلمہ پر جاری ظلم و فساد سے باز آ جاؤ۔“

شیخ جلال الدین حنائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

امیر المؤمنین ملا محمد عمر حفظہ اللہ کی مثالی قیادت

”میرا اعتقاد ہے کہ چودہویں صدی ہجری کا کوئی بھی امیر ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ جیسی شجاعت، کرامت، غیرت اور قوت عمل کا حامل نہیں۔ بلاشبہ ان کا وجود اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور تمام مجاہدین کو اس نعمت کا ادراک ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے دلوں میں اس نعمت کی قدر برقرار رکھے۔ روس کے خلاف جہادی تحریک میں تنظیموں کے باہمی اختلافات اور امراء کی کثرت کے مہلک نتائج کا تجربہ تو ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔ امراء کی کثرت ہی تو جہاد کے ثمرات ضائع کرنے کا باعث بنی اور اسی وجہ سے تو ہمارے مقدس جہاد کی تمام کامیابیاں اور شجاعت کی تمام داستانیں بے ثمر ہو کر رہ گئیں۔“

انڈونیشیا کے بزرگ مجاہد عالم دین شیخ ابو بکر بشیر فلک اللہ اسرہ فرماتے ہیں

اگر امریکی ٹھیک کہہ رہے ہیں، تو کیا نعوذ باللہ قرآن غلط ہے؟

”امریکیوں، انگریزوں اور یورپیوں نے اسلام کے خلاف جنگ کا اعلان کیا ہے۔ یہ لوگ اپنے مکروہ مقاصد کو پانے کے لیے ہر طرح کا مکروہ فریب استعمال کر رہے ہیں۔ یہ کفار اسلام کو نقصان پہنچانے والی سیاست سے ہرگز باز نہ آئیں گے۔ اب اگر یہ اپنے چروں کو خوشنما بنالیں اور کہیں کہ ہماری جنگ تو اسلام کے خلاف نہیں، تو کیا نعوذ باللہ ہم یہ سمجھیں کہ قرآن خطا پر ہے؟ نا ممکن!“

تاکرین جہاد کے اقوال ----- قال اهل النغور

قرآن کے مطابق تو کفار ہرگز 'ہمارے دین' سے راضی نہیں ہو سکتے۔ یعنی ان کی اصل جنگ ہمارے دین سے ہے۔

(انڈونیشیا کے معروف عالم دین شیخ ابو بکر بشیر جن کی عرب ستر سال سے بھی تجاوز کر چکی ہے، کو بالی (انڈونیشیا) میں آسٹریلیین سیاہوں پر دھماکوں کے سلسلے میں ۱۴ سال قید کی سزا سنائی گئی ہے۔ شیخ نے مستقل یہ موقف اختیار کیے رکھا ہے کہ اگرچہ ان کا بالی دھماکوں سے کوئی تعلق نہیں، لیکن یہ دھماکے شرما ہائل جائز تھے۔ اسی جرأت مندانہ فتوے کے سبب آپ کو اس ہجرت سال میں بھی سزا دی گئی ہے۔ تمام قارئین سے شیخ کی استقامت، حفاظت اور رہائی کے لیے دعا کی درخواست ہے۔)

شیخ خالد بن عبد الرحمن الحسینان حفظہ اللہ کے ساتھ

ادارہ حطین کی گفتگو

عربی سے قرآن مجید شریف

ادارہ حطین اس مرتبہ کویت سے تعلق رکھنے والے ممتاز عالم دین و داعی "شیخ خالد بن عبد الرحمن الحسینان حفظہ اللہ" کے ساتھ گفتگو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ آپ متعدد کتب کے مصنف ہیں اور آپ کے اصلاحی دروس و خطبات عالم عرب، خصوصاً کویت میں بہت مقبول ہیں۔ آپ نے چند سال قبل سرزمین فرسان کی طرف ہجرت کی اور شامل جہاد ہوئے۔ آج کل آپ تنظیم القاعدہ کی طرف سے مجاہدین کی دینی تربیت، تزکیہ کی ذمہ داری سرانجام دے رہے ہیں۔ ادارہ المساب کی جانب سے آپ کے متعدد اصلاحی بیانات و مواعظ نشر کیے جا چکے ہیں، جو قلوب کو رب کی طرف راغب کرنے کا ایک نہایت مؤثر ذریعہ ہیں۔ (درج)

حطین: محترم المقام شیخ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

شیخ خالد الحسینان: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ محترم بھائی!

حطین: سب سے پہلے تو ہم آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہیں گے کہ آپ نے اپنے قیمتی اوقات میں سے ہمارے لیے وقت نکالا اور اپنے مشاغل ترک کیے۔ اللہ تعالیٰ اس گفتگو کے ذریعے آپ کی لکھنؤ کے میزبان میں اضافہ فرمائیں اور اس گفتگو کو ہمارے اور پوری امت کے لیے باعث نفع

۳۔ خواتین کے ایک ہزار (۱۰۰۰) مساکین کے جوابات

۴۔ ہم اللہ والوں کی منزلوں تک کیسے پہنچیں؟

۵۔ نیک و صالح لوگ ایسے ہوا کرتے تھے!

۶۔ آپ اپنی آخرت کے لیے تیاری کیسے کریں؟

طہلین: محترم شیخ! آپ میدانِ جہاد کی جانب کب آئے اور کس چیز نے آپ کو یہ راہ اختیار کرنے پر ابھارا؟

شیخ خالد الحسینان: میں نے ۱۴۲۷ھ میں میدانِ جہاد میں قدم رکھا۔ مجھے کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات نے یہ راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ میں نے جب اللہ کا یہ فرمان پڑھا کہ:

﴿قُلْ إِنْ كَانَتْ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تُظَوِّنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنْهُنَّ فَتُؤَدُّوهَا فِي سَبِيلِهِ فَاذْكُرُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ (التوبة: ۲۴)

”(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے خاندان، تمہارا کمایا ہوا مال، تمہاری تجارت جس کے گھانے کا تمہیں ڈر رہتا ہے، اور تمہارے وہ گھر جنہیں تم عزیز رکھتے ہو، تمہیں اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں جہاد سے بڑھ کر محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم (عذاب) آن پہنچے۔ اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

تو میں نے اپنے آپ سے کہا کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ کو ضرور دکھانا ہے کہ اللہ، اس کا رسول ﷺ اور جہاد فی سبیل اللہ میرے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ اور یہ محبت صرف باتیں کرنے اور خطبات کہنے، سننے سے نہیں ظاہر ہوتی بلکہ اس محبت کا اظہار تو قربانی و فداکاری اور ہجرت و جہاد سے ہی ہوتا ہے۔ پھر جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث پڑھی کہ:

”الْفَتْلَى فَلَانَةً. رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَاهِدَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَتَّى إِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَهُمْ حَتَّى يُقْتَلَ فَذَلِكَ الشَّهِيدُ الْمُنْفَجِرُ. فِي حِلْمَةِ اللَّهِ. نُحْنُ عَزِيزُهُ. وَلَا يَفْضُلُهُ النَّبِيُّونَ إِلَّا بِفَضْلِ دَرَجَةِ النَّبُوَّةِ۔۔۔۔۔“

”مقتول تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جو اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے لڑے، پھر جب دشمن سے نہ بھیر ہو تو ان سے قتال کرے یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ پس یہ قابلِ رشک شہید ہے جو روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے خیمے میں ہوگا۔ اور (یہ شخص مقام و مرتبے میں اس قدر بلند ہوگا کہ) انبیاء علیہم السلام کو بھی صرف نبوت کی بنا پر اس پر فضیلت حاصل ہوگی۔“

(المعجم الكبير للطبراني)

یعنی شہادت کی بنا پر اللہ کے یہاں اتنی مہربانی و شفقت اور جنت کے اتنے بلند مقامات ہیں، کہ کوئی شخص بھی اپنے شہر میں بیٹھ کر سالوں عبادت کرنے کے بعد بھی اس درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ جنت الفردوس کو جانے والا مختصر راستہ یہی ہے کہ ہم جہاد کے لیے اپنی جان اور مال لگائیں، یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں شہید کر دیے جائیں۔ پس یہی سوچ کر میں نے جہاد کا راستہ اختیار کیا اور یہاں چلا آیا۔

طہلین: شیخ! آپ نے افغانستان، یہاں کے باسیوں اور مجاہدین کو کیسا پایا؟ طالبان مجاہدین کا اپنے عرب و غیر عرب مجاہدین کے ساتھ کیسا تعلق دیکھنے کو ملا؟

شیخ خالد الحسینان: الحمد للہ میں نے افغانستان، اس کے باسیوں اور مجاہدین کو بہت سی اچھا پایا۔ ان کی کن کن صفات کا تذکرہ کروں، خدمت و نصرت، قربانی و ایثار، مہمان نوازی و ملنساری، ہر ایک عمدہ صفت میں نے ان میں پائی۔ یہ لوگ عرب اور غیر عرب مجاہدین کا بہت احترام کرتے ہیں؛ اور جس قدر تعاون اور نصرت ممکن ہوتی ہے، کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے گھر تک ان کے لیے کھول دیتے ہیں۔ یقیناً اہل افغانستان نے دورِ اول کے انصار و مجاہدین کی یاد تازہ کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی زندگیوں میں برکت عطا فرمائیں اور ان کے اعمال کو قبول فرمائیں، آمین!

انہوں نے تو اس وقت ہمارا استقبال کیا جب ہمیں سارے عالم نے جہا چھوڑ دیا تھا اور پھر ہماری وجہ سے ہر مصیبت کو خوش آمدید کہا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو، آمین!

حطین: افغانستان، پاکستان، عراق، صومالیہ اور دیگر ممالک میں امت مسلمہ کے خلاف جو صلیبی مہمیں جاری ہیں، آپ کے خیال میں اس کا انجام بالآخر کیا ہو گا؟

شیخ خالد الحسینان: مجھے اللہ تعالیٰ سے کامل امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خون اور قربانی کو ضائع نہیں فرمائیں گے جو اس جنگ میں دین کی نصرت کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ اور بے شک انجام کار تو مسلمانی کے لیے ہے، اور اللہ اپنے اولیاء کا حامی و مددگار ہے۔

مجھے اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اللہ کی مدد و عنقریب آنے والی ہے۔ صرف چند دنوں کا ہی انتظار ہے۔ دشمن بوکھلا چکا ہے۔ پس ان آخری لمحات میں جس چیز کی ہمیں سب سے زیادہ ضرورت ہے، وہ ہے صبر اور دعا۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں موجود موثر ترین ہتھیار دعا ہے، اور خاص طور پر قبولیت کے اوقات میں کی جانے والی دعا۔ جیسا کہ رات کے آخری پہر کی دعا۔

حطین: مسئلہ فلسطین کے بارے میں ایک مجاہد کے احساسات کیا ہوتے ہیں، آپ کیا فرماتے ہیں؟

شیخ خالد الحسینان: الحمد للہ مجاہدین تو تمام لوگوں سے بڑھ کر اقصیٰ کے لیے غیرت و حمیت اور فداکاری کے جذبات رکھتے ہیں۔ انھوں نے تو عہد کر رکھا ہے کہ جب تک فلسطین آزاد نہیں ہو جاتا، وہ یونہی جہاد کرتے رہیں گے اور اس کی خاطر اپنا خون اور اپنے اموال پیش کرتے رہیں گے۔

مجاہدین صرف تقریروں، مظاہروں اور ہڑتالوں پر اکتفا نہیں کرتے۔ جیسا کہ آج بہت سے لوگوں کا حال ہے۔ وہ تو مسجد اقصیٰ کو بچہ کیود سے آزادی دلانے کے لیے اپنا تن من و دھن پیش کر رہے ہیں۔

حطین: جہاد اور مجاہدین کو قریب سے دیکھنے کے بعد آپ ان لوگوں سے کیا کہیں گے جو کبھی ان مجاہدین کو دہشت گرد کہتے ہیں اور کبھی ان پر انتہاء پسندی کا الزام دھرتے ہیں؟

شیخ خالد الحسینان: میں ہر اس شخص سے جو مجاہدین کو دہشت گرد اور انتہاء پسند کہتا ہے، یہی کہوں گا کہ:

”ابنی آخرت کے معاملے میں اللہ سے ڈرو!

کافرو منافق ذرائع ابلاغ کے جھوٹے دعوؤں پر کان مت دھرو! بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ہیں:

”مَنْ كَتَبَ شَهَادَتَهُمْ وَيُسْأَلُونَ يَوْمَ (الزخرف: ۱۸)“

”مہمانان کی گواہیاں لکھی جائیں گی اور عنقریب ان سے پوچھا جائے گا۔“

اور ایسی باتیں کر کے مسلمانوں کے مقابلے میں صلیبیوں کے مددگار مت بنو!“

حطین: شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی شہادت کے حوالے سے آپ کیا کہیں گے؟

شیخ خالد الحسینان: الحمد للہ علی کل حال! جس چیز کی تمنا شیخ اسامہ رحمہ اللہ برسوں سے اپنے سینے میں چھپائے ہوئے تھے، بالآخر انہوں نے اسے پالیا۔ حقیقی فتح تو یہی ہے کہ مسلمان اپنے دشمن پر ثابت قدم رہے یہاں تک کہ شہید ہو جائے۔ شیخ اسامہ رحمہ اللہ اپنا یہ مشہور مقولہ اکثر دہا کرتے تھے کہ:

”فالمعبد من اتخذہ اللہ شہیداً۔“

”خوش قسمت تو وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ شہادت سے سرفراز فرمائیں۔“

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے خون کے طفیل امت کو بیدار کر دیں!

آپ رحمہ اللہ نے ایک طویل مشقت، راء جہاد کی پیہم مسافت اور تنگی و مشکلات کا ایک لمبا دور گزرنے کے بعد بالآخر راحت پائی ہے۔ نحسبہ واللہ حسبہ!

ہم اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھتے ہوئے یہ بات کہتے ہیں اور ہم اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا بھی کرتے ہیں کہ وہ شیخ رحمہ اللہ کو جنت الفردوس کے مستحق شہداء میں قبول فرمائیں۔ موت ایک لازمی چیز ہے اور ہر انسان نے اس کا مزہ چکھنا ہے۔ اب یہ موت قتل کی صورت میں آئے گی یا وہ طبعی موت مرے گا۔ اور ہمیں یہی بات محبوب تھی کہ ہمارے شیخ بستر پر جان دینے کی بجائے مرداگی و شہادت اور خودداری والی شہادت سے سرفراز ہوں۔ جیسا کہ شاعر نے کہا:

ومن لم يمّت بالسيف مات بغيره تعددت الأسباب والموت واحد (جو شخص تلوار کے وار سے نہیں مرتا تو وہ اس کے بغیر بھی مر جاتا ہے۔ اسباب بے شمار ہیں مگر موت تو ایک ہی ہے)

حطین: عرب دنیا میں آنے والے عوامی انقلابات کو آپ کس نگاہ سے دیکھتے ہیں؟

شیخ خالد الحسینان: بلاشبہ یہ عوامی انقلابات امت میں بیداری کی ایک نئی لہر کا پتہ دیتے ہیں۔ کفار مغرب نے خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد اس امت کے سامنے خوف کی جو دیوار کھڑی کی

حق، الحمد للہ وہ اب بوسیدہ ہو کر گرنے کو ہے۔ یقیناً یہ خیر و صلاح کی علامت ہے کہ امت نے ظلم و زیادتی سمیٹنے سے انکار کر دیا ہے۔

ان انقلابات نے مجاہدین کے حصے کا بہت سا کام انجام دے دیا ہے، لیکن ہم اپنی محبوب امت کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ ابھی ان کا سفر مکمل نہیں ہوا، نہ ہی ان کی منزل ابھی آئی ہے۔ ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے سفر کو جاری رکھیں اور حاکمیت شریعت کی منزل تک پہنچ کر ہی دم لیں۔ عوام کے لیے نہ تو جمہوریت میں کوئی سعادت و خوشحالی ہے اور نہ ہی ان دیگر نظاموں اور جاہلی قوانین میں کوئی سکون ہے جو اسلام اور اس کی عادلانہ تعلیمات کے برخلاف ہیں۔ مسلمانوں کی دنیوی و اخروی فلاح تو بس ان کے دین ہی سے وابستگی میں پنہاں ہے۔

حطین: قابل احترام شیخ: ایک مجاہد کی زندگی میں علم کی کیا اہمیت ہے؟

شیخ خالد الحسینان: بلاشبہ مجاہد کی زندگی میں علم کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ مجاہدین کی مصفوں میں علم کا عام ہونا ہی جہاد کو شریعت کے تبلیغ رکھنے کی ضمانت ہے۔ علم سے نابلد مجاہد تو بعض اوقات اصلاح سے زیادہ لگاؤ کا باعث بن جاتا ہے۔ پس علم مجاہد کے لیے ایسا مضبوط قلعہ ہے جو اسے بے شمار نفرتوں اور گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

الحمد للہ ہم تنظیم القاعدہ کے تحت شرعی دورہ جات اور تربیتی دروس وغیرہ کا اہتمام کرنے کی حتی الوسع کوشش کرتے ہیں۔ یہاں مجاہدین ایمانیات، فقہ، آداب شرعیہ اور اس کے علاوہ بھی کئی علوم سیکھتے ہیں۔ تاکہ وہ ہر پیش آنے والے معاملے میں شرعی احکامات سے واقف ہو جائیں اور اپنے تمام کاموں اور باتوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔

حطین: شیخ! امید ان جہاد میں آپ نے سب سے حیرت انگیز چیز کیا دیکھی؟

شیخ خالد الحسینان: مجھے جہاد کے میدانوں میں بہت سی حیرت انگیز چیزیں دیکھنے کو ملیں۔ میں نے یہاں ایسے لوگوں کو دیکھا کہ ان جیسے لوگ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ایسے لوگ جو موت کو اس لیے سینے سے لگا لیتے ہیں، تاکہ ان کی امت عزت کی زندگی جی سکے۔ میں نے ایسے مجاہدین دیکھے جن کے درمیان سچی اور حقیقی اخوت تھی، پاکیزہ ایمانی محبت تھی۔ میں نے انھیں ایک دوسرے کی خدمت کرتے دیکھا اور ان کے سینوں کو باہمی بغض، کینہ اور حسد جیسی چیزوں سے محفوظ پایا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کس طرح طاعت و عبادت کا اہتمام کرتے ہیں، راتوں کو قیام کرتے

- تیسرا موضوع ہے حلال و حرام کے احکامات کا بیان؛ اور انہی احکامات کے قیام و نفاذ کے لیے جہاد کو واجب کیا گیا ہے، جیسا کہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع سے ثابت ہے۔
- چوتھا موضوع ہے آداب و معاملات کا بیان؛ اور ان پر عمل کرنے سے مسلمانوں کا معاشرہ داخلی طور پر منظم و مرتب ہوتا ہے تاکہ اہل اسلام یکسوگی سے خارجی دشمنوں کے خلاف قتال کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ جب مسلمانوں کا اپنا معاشرہ فساد کا شکار ہو گا اور ان میں داخلی انتشار برپا ہو گا تو وہ دشمنان اسلام کے خلاف کیسے لڑ سکیں گے۔

یہ اس نکتے کا خلاصہ ہے جو میں نے اپنے بزرگ استاد شیخ اکرام الدین بدخشانی حفظہ اللہ سے اپنے طالب علمی کے زمانے میں سنا تھا۔ آپ دس جلدوں پر محیط، عربی زبان میں لکھی گئی ایک تفسیر کے مصنف ہیں۔ اب تو آپ کی عمر سو سال سے بھی تجاوز کر چکی ہے، اللہ آپ کی حفاظت فرمائے اور آپ کے علم کو امت کے لیے نفع کا باعث بنائے۔ جہاد کی فضیلت کے حوالے سے میں نے یہ بات آپ کے علاوہ بھی متعدد اہل علم سے سنی ہے اور اسی سے مشابہ بات امام غزالیؒ نے جواہر القرآن میں، امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں اور امام سیوطیؒ نے الاتقان اور اسرار تہذیب القرآن وغیرہ میں ذکر کی ہے۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ تقاسیر اور علوم قرآن کی کتب میں سے شاید ہی کوئی کتاب اس نکتے سے خالی ہو۔

احکامات جہاد سے لاطمی، جہاد کی قبولیت ہی خطرے میں ڈال دیتی ہے

جہاد کی فضیلت ذہن میں رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک اور نکتہ سمجھنا بھی اہم ہے جسے امام نووی، امام ابن تیمیہ اور امام سیوطی رحمہم اللہ سمیت کئی اہل علم نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔ ان حضرات نے لکھا ہے کہ جہاد ایک ایسی عبادت ہے جو فرض مین ہو یا فرض کفایہ، بہر دو صورت اس کا نفع محض مجاہدین تک محدود نہیں رہتا بلکہ دیگر انسانوں کو بھی اس سے نفع پہنچتا ہے۔ لیکن اگر یہی عبادت شریعت کے مقرر کردہ طریقے سے ہٹ کر ادا کی جائے تو اس کا ضرر بھی محض مجاہدین تک محدود نہیں رہتا بلکہ دیگر لوگ بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اسی لیے یہ بات باعث تشویش ہے کہ

جہاد کی فضیلت کے بقدر، احکامات جہاد کا علم بھی حاصل کیجیے

مجاہد عالم دین شیخ ابو الولید اللہ بن عبد اللہ بن محمد قاری عبدالمجادی

یہ اقتباس مصنف کی تحریر "فہمہ الجہاد علی قدر فضله" سے لیا گیا ہے۔ (میر)

اسلام میں جہاد کی فضیلت غیر متنازعہ ہے

شریعت نے جہاد فی سبیل اللہ کو جو مقام و مرتبہ عطا کیا ہے اس سے کوئی صاحب علم انکار نہیں کر سکتا۔ نہ ہی فضیلت جہاد کو بیان کرنے والی قرآنی آیات اور نبوی احادیث سے صرف نظر ممکن ہے۔ جہاد کی فضیلت سمجھنے کے لیے تو بس یہ جان لینا ہی کافی ہے کہ قرآن کریم کی تقریباً ایک چوتھائی آیات جہاد ہی سے متعلق ہیں۔ بلکہ ہم نے تو طالب علمی کے زمانے میں اپنے اساتذہ و مشائخ سے یہاں تک سنا تھا کہ قرآن کریم کے چار بنیادی موضوعات ہیں اور چاروں ہی کا جہاد سے براہ راست تعلق ہے:

- پہلا موضوع ہے توحید کا اثبات؛ اور جہاد کا حکم بھی اسی لیے دیا گیا ہے تاکہ توحید قائم ہو۔
- دوسرا موضوع ہے نبوت کا اثبات جن میں سے سب سے آخری نبوت خاتم الانبیاء ﷺ کو عطا کی گئی؛ اور یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ آپ ﷺ کو تو مبعوث ہی تلوار کے ساتھ کیا گیا اور جہاد کو آپ کی شریعت کا مستقل جزو بنا دیا گیا۔

ان مسلم اور تکفیر کے معاملات میں احتیاط واجب ہے!

اپنے اصل موضوع کی طرف واپس لوٹتے ہوئے میں کہوں گا کہ اگر کسی شخص کی جان لینے کے معاملے میں ہمیں اشکال درپیش ہو اور یہ یقین نہ ہو کہ اس کا خون بہانا جائز ہے، تو ایسے میں احتیاط کی راہ اختیار کرنا واجب ہو گا۔ ائمہ کرام رحمہ اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ ایسی صورت میں اقدام کرنے کی بجائے ہاتھ کھینچ لینا لازم ہے۔ یہاں ہم اسی بات کی تائید میں اہل علم کے بعض اقوال نقل کیے دیتے ہیں۔ امام غزالی اپنی کتاب "الفرقة بين الإسلام والزندقة" میں لکھتے ہیں:

"يُنْبَغِي الْاحْتِرَازُ عَنِ التَّكْفِيرِ مَا وَجَدَ إِلَيْهِ سَبِيلًا، فَإِنَّ اسْتِبَاحَةَ دِمَاءِ الْمُصَلِّينَ الْمُقَرَّبِينَ بِالْعُجْبِ خَطَأً، وَالْخَطَأُ فِي تَرْكِ أَلْفِ كَافِرٍ فِي الْحَيَاةِ أَهْوَنُ مِنَ الْخَطَأِ فِي سَفْكِ دَمِ مُسْلِمٍ وَاحِدٍ!"

"مطلوب یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تکفیر سے گریز کیا جائے، کیونکہ توحید کا اقرار کرنے اور قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کرنے والوں کے خون کو (کسی بالکل واضح شرعی دلیل کے بغیر) مباح قرار دینا غلط ہے۔ اور ایک ہزار کافروں کو غلطی سے زندہ چھوڑ دینے کی نسبت کسی ایک مسلمان کا خون غلطی سے بہا دینا زیادہ بھاری بات ہے!"

اسی طرح امام قرطبی مسلم شریف کی شرح "المفہم" میں لکھتے ہیں:

"وَبَابُ التَّكْفِيرِ خَطَرٌ وَلَا تَغْدِلُ بِالسَّلَاقَةِ شَيْئًا."

"تکفیر کا باب خطرات سے پر ہے؛ اور ہمارے نزدیک خود کو خطرات سے بچائے رکھنے سے اہم کوئی شے نہیں۔"

ایک مرتبہ فقیر عبدالحق رحمہ اللہ نے امام ابوالمعالی الجوزی سے خوارج کی تکفیر کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ:

"إِدْخَالُ كَافِرٍ فِي الْمَلَةِ وَإِخْرَاجُ مُسْلِمٍ عَنْهَا عَظِيمٌ فِي الدِّينِ."

"کسی کافر کو امت میں شامل کرنا اور کسی مسلمان کو امت سے نکال دینا دونوں ہی اللہ کے نزدیک بہت بھاری باتیں ہیں (اس لیے میں اتنے خطرناک معاملے میں بولنے سے گریز کروں گا)۔"

مد نظر رکھے، مسئلے کے تمام پہلوؤں کا پوری دقت اور گہرائی کے ساتھ جائزہ لے اور اللہ سے ڈرتے ہوئے پوری امانت کے ساتھ شرعی مسائل میں زبان کھولے۔ پس فتویٰ ایسے راسخ اہل علم ہی کی طرف لوٹایا جانا چاہیے اور ایسے ثقہ علماء ہی سے شرعی مسائل پوچھنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کا حال یہ ہو کہ اس سے ایک مسئلہ دریافت کیا جائے تو وہ آگے بڑھ کر دس کا جواب دے، تو اہل علم اور صاحب قدرت لوگوں کا فریضہ بنتا ہے کہ وہ دین کی حفاظت اور شریعت کی نگہبانی کی خاطر ایسے لوگوں پر کڑی پابندیاں عائد کریں اور انہیں ان کی حقیقی حدود سے تجاوز نہ کرنے دیں۔ یہ میری ذاتی رائے نہیں بلکہ ائمہ سلف رحمہم اللہ کا فتویٰ ہے جو ان کی کتب میں بصراحت موجود ہے۔ خوب جان لیجئے کہ فتوے کے مقام پر فائز ہونا کوئی سہل امر نہیں بلکہ اس مقام تک پہنچنے کے لیے خود کو طلب علم میں کھپانا اور گھلانا پڑتا ہے اور مستقل مشق کر کے اپنی صلاحیت اور تجربہ بڑھانا پڑتا ہے۔ تبھی تو سلف صالحین میں سے بعض نے فرمایا ہے کہ: "حضانة العلم عشرون"، یعنی "علم بیس سال تک تو گوارے ہی میں رہتا ہے"۔ گویا طالب علم کا علمی بچپن ختم ہونے میں بھی بیس سال لگ جاتے ہیں؛ پھر اس کے بعد اللہ جس کو چاہتے ہیں، جتنا چاہتے ہیں، مزید علم عطا کرتے ہیں۔

امت مسلمہ سے معاملہ کرتے ہوئے عوام کا عذر ملحوظ رکھنا چاہیے

ہم آج ایک ایسے زمانے میں جی رہے ہیں جب جہل عام اور علم نادر ہو چکا ہے؛ اور باعمل علماء اور مخلص داعیان دین تو اور بھی نادر ہیں۔ ہر سمت کفار کا غلبہ اور ظلم کا دور دورہ ہے، جس کے سبب اہل علم کے لیے کھل کر حق بات کہنا بھی نہایت دشوار ہو چکا ہے۔ چنانچہ عوام المسلمین کے لیے کئی اہم امور میں درست احکامات تک رسائی مشکل ہو گئی ہے اور اسی لیے عوام ایک درجے میں معذور بھی سمجھے جائیں گے، جیسا کہ ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ نے اپنی کتب میں بصراحت لکھا ہے۔ پس علماء اور امراء دونوں پر واجب ہے کہ وہ سیاست شرعیہ سے متعلق امور میں اور بالخصوص اس مظلوم و مقہور امت سے معاملہ کرتے ہوئے امت کے عوام کا یہ عذر اور جبر و استبداد کے یہ حالات مد نظر رکھیں۔

یہی سوال قاضی ابوبکر بقلانی سے پوچھا گیا تو آپ نے توقف اختیار کرتے ہوئے کہا:

”لَمْ يُصْنَعْ الْقَوْمُ بِالْكَفْرِ، وَإِنَّمَا قَالُوا أَقْوَالًا تُؤَدِّي إِلَى الْكَفْرِ“۔

”ان لوگوں نے صریح کفر کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ ایسے اقوال کہے ہیں جو کفر تک پہنچا دیتے ہیں۔“

علامہ ابن عابدین حنفی رحمہ اللہ "عقود رسم المفتی" میں لکھتے ہیں کہ:

وَكُلُّ قَوْلٍ جَاءَ يَنْفِي الْكُفْرَ عَنْ مُسْلِمٍ وَلَوْ ضَعِيفاً أُخْرَى
 ”ایک مسلمان کا ہر وہ قول جو اس کی تکفیر میں مانع ہو، اسے قبول کر لیتا چاہیے خواہ وہ کوئی کمزور بات ہی کیوں نہ ہو۔“

پس مسلم معاشرے اور بالخصوص مجاہدین کے درمیان اس فہم کو پھیلانا ان شاء اللہ جہاد کی حفاظت کا ذریعہ بنے گا اور اسے ہوائے نفس کے گڑھوں اور شبہات کی دلدلوں میں پھنسنے اور انجام بد کا شکار ہونے سے بچائے گا۔ انسانی جان لینے کے معاملے میں جرأت کا مظاہرہ کرنا جہل کی دلیل ہے اور جاہل اس بات کا زیادہ محتاج ہوتا ہے کہ اس کی نفسانی رغبات کو لگام دینے کے لیے اسے شرعی قیود و ضوابط کا سختی سے پابند بنایا جائے، بجائے اس کے کہ اسے کھلا چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ ہوائے نفس کی پیروی کرتا پھرے اور شیطان کو بھی اس پر مسلط ہونے کا خوب موقع ملے۔

مقصود کلمۃ اللہ کی سر بلندی ہے، نہ کہ محض قتل و غارت

سورہ نساء میں وارد ہونے والے فرمانِ الہی ﴿فَيَقْتُلْ أَوْ يَغْلِبْ﴾ کے ذیل میں علماء نے ایک نکتہ بیان کیا ہے جسے یہاں ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ امام بیضاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وَأَمَّا قَالَ: فَيَقْتُلْ أَوْ يَغْلِبْ، تَنْبِيْهُاً عَلَى أَنَّ الْمَجَاهِدَ يَنْبَغِي أَنْ يَثْبُتَ فِي الْمَعْرَكَةِ حَتَّى يُعْزِزَ نَفْسَهُ بِالشَّهَادَةِ؛ أَوْ الدِّينَ بِالظُّفْرِ وَالْعَلَبَةِ، وَأَنْ لَا يَكُونَ قَصْدُهُ بِالذَّاتِ إِلَى الْقَتْلِ، بَلْ إِلَى إِغْلَاءِ الْحَقِّ وَإِعْزَازِ الدِّينِ.“

”اس آیت مبارکہ میں یہ کہنے کی بجائے کہ ((وہ قتل کر دیا جائے یا دشمن کو قتل کر دے))، یہ کہا گیا ہے کہ ((وہ قتل کر دیا جائے یا دشمن پر غالب آجائے))، جس سے یہ

ہات سمجھانا مقصود ہے کہ مجاہد کو چاہیے کہ وہ معرکے میں ثابت قدم رہے یہاں تک کہ یا تو اسے شہادت کا اعزاز مل جائے یا وہ دین کو فتح اور غلبہ دلا دے۔ پس ایک مجاہد کی اصل نیت قتل و غارت کرنا نہیں ہونی چاہیے، بلکہ اسے کلمہ حق کی سر بلندی اور دین کی سرفرازی پر نگاہ رکھنی چاہیے۔“

۱۷۔ ین پر لازم ہے کہ وہ راہِ علم کی رہنمائی میں چلیں

الغرض، ایک عام مجاہد کے حوالے سے ہماری نصیحت کا خلاصہ یہ ہے کہ اس پر واجب ہے کہ وہ
 فی مسائل میں احتیاط کی روش اختیار کرے۔ اس کا فرض جتنا ہے کہ وہ لوگوں کی جان و مال کی
 مت و حلت کے معاملات اور تکفیر کے مسائل کو طالب علموں کی بجائے راسخ علمائے کرام کے
 ہر درجے، جو ان مسائل میں خوب غور و فکر کے بعد ٹھوس علم کی بنیاد پر رائے دیں۔ ہر مجاہد کا
 فرض جتنا ہے کہ وہ فتویٰ دینے کے اہل علمائے کرام سے پوچھتے بغیر ان مسائل میں کوئی قدم نہ
 اٹھائے۔

مسی ذوق کے حامل مجاہدین کے لیے کتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے؟

دوسرا گروہ ان مجاہدین کا ہے جو علم حاصل کرنے کی رغبت بھی رکھتے ہیں اور ان کے لیے ممکن
 ہے کہ وہ اپنی کوششیں اس میدان میں کھائیں اور اپنے وقت کا بڑا حصہ علم حاصل کرنے میں
 گزاریں۔ ایسے مجاہد بھائیوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ اپنی باقی مصروفیات منقطع کر کے حصولِ
 علم ہی کو سب سے زیادہ وقت دیں۔ لیکن یہ علم میدانِ جہاد میں رہتے ہوئے ہی حاصل کرنے کی
 کوشش کی جائے؛ اس صورت میں جہاد کی فرضیت بھی ادا ہو جائے گی، علم اور جہاد جیسی دو افضل
 عبادات جمع کرنے کا شرف بھی مل جائے گا اور میدانِ جہاد میں پیش آنے والے عملی مسائل کا
 مشاہدہ بھی قریب سے کرنے کا موقع ملے گا۔ ایسے مجاہد ساتھیوں کی بنیادی ترجیح یہی ہونی چاہیے کہ وہ
 جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق احکامات سیکھیں، جہاد کے مسائل حفظ کریں اور اس کے فروعی اور
 نازک امور پر بھی گرفت حاصل کر لیں۔ پھر اگر میدانِ جہاد ہی میں کسی عالم یا اپنے سے زیادہ علم

والے طالب علم کی صحبت میسر آجائے جسے پابندی کے ساتھ کسی کتاب کا متن سنایا جاسکے، اس کی شرح سمجھی جاسکے اور اس کی سرپرستی میں اس متن کو حفظ کیا جاسکے، تو اس سے بڑھ کر نعمت اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ تو حصول علم کا وہ اصل طریقہ ہے جو سلف کا ورثہ ہے اور اس امت میں نسل و نسل رائج رہا ہے۔ نیز یہ کوشش ہونی چاہیے کہ احکامات جہاد سے متعلق جو کتاب بھی اس کے ہاتھ لگے، وہ اس کا مطالعہ کر ڈالے۔ احکامات جہاد کے ساتھ ساتھ اس کو یا غیوں اور مرتدین کے احکامات کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس مطالعے کا آغاز شروحات حدیث میں سے متعلقہ ابواب پڑھنے سے ہونا چاہیے اور اس کے بعد اسی موضوع پر ائمہ اربعہ کی کتب فقہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد علامہ ابن حزم کی کتب اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہم اللہ کی کتب میں سے متعلقہ ابواب پڑھنے چاہئیں۔ پھر متاخرین میں سے امام شوکانی، قزوینی اور البانی رحمہم اللہ وغیرہ کی کتابیں بھی دیکھ لینی چاہئیں۔ پھر مختلف پیچیدہ اور متنوع عملی مسائل کا جواب جاننے کے لیے مالکیہ اور احناف کے فتاویٰ کو ترجیحاً پڑھنا چاہیے، کیونکہ مالکی و حنفی علماء کی کتب میں ان موضوعات پر جو دستاویز ذخیرہ پایا جاتا ہے وہ کہیں اور نہیں پایا جاتا۔ اور اللہ ہی کی ذات ہے جو ہر خیر کی توفیق دیتی ہے اور اس کے سوا ہمارا کوئی رب نہیں!

امرائے جہاد سے بڑھ کر علم کا محتاج کوئی نہیں!

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ علم اور اہل علم کی صحبت کے سب سے زیادہ محتاج مجاہدین کے امراء ہیں۔ امرائے جہاد کے لیے اپنی علمی سطح بڑھانے پر مستقل توجہ دیتے رہنا لازم ہے۔ سیاست شریعہ کا فہم حاصل کرنے اور رعیت سے متعلق معاملات منظم کرنے میں امراء کے لیے جو چیز سب سے زیادہ معاون ثابت ہوگی وہ سیرت نبوی ﷺ، سیرت صحابہ، فتوحات اسلام، عموی کتب تاریخ اور مشاہیر امت کی زندگیوں کا مطالعہ ہے۔ یہ سلف کے کئی عادل بادشاہوں اور امرائے اسلام کا طرز رہا ہے، اللہ ان سب پر رحمت فرمائے۔ پس امرائے جہاد کو چاہیے کہ وہ حصول علم کا اہتمام کریں اور اگر مصروفیت وغیرہ کے سبب خود مطالعہ نہیں کر سکتے تو

جہاد کی فضیلت کے بغیر احکامات جہاد کا علم بھی حاصل کیجیے۔ بدیۃ المجاہد

اصول علم میں مانع شیطانی وساوس کا مختصر جواب

بات سمیٹتے ہوئے یہ کہنا چاہوں گا کہ عزائم بلند ہوں تو مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔ لہذا اس شیطانی وسوسے کو خاطر میں نہ لایا جائے کہ میدان جہاد کے مخصوص حالات میں علم حاصل کرنا ایک مشکل کام ہے۔ اللہ پر توکل کرتے ہوئے علم حاصل کرنے کا آغاز کیجئے۔ میرے علم میں نہیں کہ حصول علم کے لیے جو شرح صدر میدان جہاد میں حاصل ہوتا ہے وہ کہیں اور بھی حاصل ہوتا ہو۔ میں نے بیت اللہ، اللہ اس کے شرف و عظمت میں مزید اضافہ فرمائے، کے عین سامنے بیٹھ کر علم حاصل کرنے کا تجربہ بھی کیا ہے، جب کہ میرے اور کعبہ شریف کے درمیان محض چند گز کا فاصلہ تھا اور میں نے محاذوں پر دشمن کے بالکل قریب پہنچ کر بھی یہی تجربہ کیا ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا امیں نے حصول علم کے لیے جو شرح صدر محاذوں پر پایادہ کہیں اور نہیں پایا۔ اور جس کو میری یہ بات سمجھ نہ آئے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کر لے:

﴿أَجْعَلْهُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ آمَنَ يَأْتُوا بِلَاكٍ وَآيَاتٍ وَيُكَلِّمُ الْقُلُوبَ﴾
(التوبة: ۳۰)

”کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کو آباد کرنا اس شخص کے اعمال جیسا خیال کیا ہے جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے؟ یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں۔ اور اللہ عالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا کرتا۔“

نیز یہاں یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہو گا کہ موجودہ زمانے میں حصول علم کے عمل کو آسان بنانے کے لیے جو اسباب و ذرائع میسر ہیں وہ پہلے کبھی نہیں موجود تھے۔ کئی نئی ایجادات نے بہت سے ایسے

مال و زر، چاہو چشم، قوم و وطن، رنگ و نسب
آئے دن دنیا میں جھگڑے ہیں انہی کے توبہ
پست ذہنیت سے ناشی ہیں یہ نصب العین سب
اوج اسلامی پہ لا معیار انسانی کو اب
مسلم خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں، مہربن کر آشکارا تو بھی ہو

پھیلانا ہے چار سو اک دن ضرور اسلام کو
سچ سمجھ پیغمبرِ حق کے اس پیغام کو
تو کسے پورے یقیں کے ساتھ گراں کام کو
مہدی و عیسیٰ بھی پہنچیں نصرت و اتمام کو
مسلم خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں، مہربن کر آشکارا تو بھی ہو

وعدہ غلبہ ہے مومن کے لیے قرآن میں
پھر جو تو غالب نہیں کچھ ہے کسر ایمان میں
ہو جو ایمان کا اثر اعتقاد میں، دل میں، جان میں
حسب قرآن سب سے اعلیٰ توفی پھر ہوشن میں
مسلم خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں، مہربن کر آشکارا تو بھی ہو

تیری بہبودی کی اک شمشیر ہی تدبیر ہے
دولت دارین و لوائے یہ وہ اکسیر ہے
خود حضورِ مخبر صادق کی یہ شمشیر ہے
جنت الفردوس زیر سایہ شمشیر ہے
مسلم خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں، مہربن کر آشکارا تو بھی ہو

دشمنانِ دین ہیں گواکثر اور اہل دین اقل
یغلبوا الفین کے ہوتے جھجک ہے بے محل
ہوا اگر کچھ بھی اعدوا ما استطعتم پر عمل
پھر تو کافی ہو تجھے تیرا خداے عزوجل
مسلم خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں، مہربن کر آشکارا تو بھی ہو

یہ لگام و حراب تبدیل ہونا چاہیے
اس کی اب توحید پر تکمیل ہونا چاہیے
یہ ہے ناقص اسکی اب تکمیل ہونا چاہیے
'جاہدوا فی اللہ' کی تکمیل ہونا چاہیے
مسلم خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں، مہربن کر آشکارا تو بھی ہو

ایک قانون خداوندِ دو عالم کے سوا
اور سب قانون ہیں جی بر اغراض و جفا
سب کو تو پابندِ قانونِ خداوندی بنا
بندگانِ حق کو بندوں کی غلامی سے چھڑا
مسلم خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں، مہربن کر آشکارا تو بھی ہو

تیرے ہوتے بھی جہاں میں غلبہ کفار ہو
سرنگوں پیشِ بٹیاں حق کا علمبردار ہو
تا کہ غفلت بس اب بیدار ہو بیدار ہو
لب پہ ہو اللہ اکبر، ہاتھ میں تلووار ہو
مسلم خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں، مہربن کر آشکارا تو بھی ہو

الجواب حامدًا ومصلیًا،

۱۔ واضح رہے کہ جہاد فی سبیل اللہ (یعنی لڑائی) کے دوران غلبہ و قوت کے بل بوتے پر کفار کا ہمال و متاع مجاہدین کے ہاتھ آئے اسے شرعاً "مال غنیمت" کہا جاتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "الغنیمۃ إسم لمال مأخوذ من الکفرۃ بالقہر والغلبۃ والحرب فائمنۃ قبل الإحراز بدار الإسلام۔"

"غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو لڑائی کے دوران (اور) دارالاسلام میں داخل ہونے سے پہلے بزور قوت کفار سے حاصل کیا جائے۔"

[الہندیہ: ۲/۲۰۲، الباب الرابع فی الغنائم، الفصل الأول، ط: رشیدیہ]

فتاویٰ شامی میں ہے:

"فی المغرب: الغنیمۃ ما نزل من الکفار عنوة والحرب قائمۃ فتحتمس، وباقیہا للغانمین۔"

"کتاب المغرب فی ترتیبہ: المغرب میں لکھا ہے: 'غنیمت' اس مال کو کہتے ہیں جو دوران لڑائی کفار سے بزور قوت حاصل کیا جائے اور پھر اس میں سے خمس نکالا جائے، اور باقی (چار) حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے جائیں۔"

[شامی: ۱۳۷/۴، باب المغنم وقسمۃ، ط: سعید]

لہذا صورت مسئلہ میں امریکیوں کی امداد کے لیے کنٹینروں میں جو سامان بھیجا جاتا ہے، اگر مجاہدین کسی طرح غلبہ پا کر اس پر قبضہ کر لیں تو یہ شرعاً جائز ہے اور یہ مال اور سامان جس قسم کا بھی ہو مجاہدین کے حق میں مال غنیمت ہو گا۔

ہجرت کے بعد کے ابتدائی دور میں جو غزوات اور سرایا پیش آئے وہ اکثر اسی طرح کے تھے کہ حضور ﷺ کو جب یہ اطلاع ملتی تھی کہ قریش کا کوئی تجارتی قافلہ شام وغیرہ سے مدینہ منورہ کے راستے مکہ مکرمہ جا رہا ہے تو آپ ﷺ فوج اصحاب کی ایک جماعت کو اس کے تعاقب میں روانہ فرماتے۔ اس طرح کے متعدد غزوات اور سرایا ہجرت کے فوراً بعد پیش آئے، جیسا کہ سر یہء حمزہ رضی اللہ عنہ، سر یہء سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، غزوہ عسیرہ اور غزوہ بواط وغیرہ۔ اور سب

فاستلوا اہل الذکر

امریکہ و نیٹو کی افواج کے لیے سامان لے جانے والے کنٹینروں سے متعلق ایک اہم فتویٰ

جامعہ علوم اسلامیہ، جوسری ٹاؤن کراچی

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

امریکیوں کے لیے جن کنٹینروں میں سامان لے جایا جاتا ہے ان میں مختلف اقسام کا سامان ہوتا ہے، اگر ان کنٹینروں کو مجاہدین قبضہ میں لے لیں:

- تو اس سامان کا کیا حکم ہے؟ آیا اس کو جلایا جائے یا غنیمت بنا لیا جائے؟
- اس کنٹینر کے ڈرائیور کا کیا حکم ہے؟ آیا اس کو قتل کیا جائے یا قید کیا جائے یا تاوان لے کر چھوڑا جائے یا مار پیٹ کر چھوڑ دیا جائے؟
- اس کنٹینر کا کیا حکم ہے جب اس کا ڈرائیور خود ہی اس کا مالک ہو تو کیا اس کنٹینر کو جلایا جائے یا غنیمت میں لیا جائے؟

برائے مہربانی نصوص قطعیہ کی روشنی میں مدلل و مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

مستفتی: عبد اللہ

امریکہ دنیائی دشمنوں کے لیے سامان لے جانے والے کنٹینرز کے متعلق اہم فتویٰ — فاستلوا اہل الذکر

سے بڑھ کر اسلام کا سب سے بڑا غزوہ ”غزوہ بدر کبریٰ“ کا سبب بھی یہی تھا کہ آنحضرت ﷺ کو شروع رمضان ۲ھ کو یہ خبر ملی کہ ابوسفیان، قریش کے قافلہ و تجارت کو شام سے مکہ واپس لا رہا ہے اور وہ قافلہ مال و اسباب سے بھرا ہوا ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو جمع کر کے اس کی خبر دی اور اس کے تعاقب میں نکلنے کا حکم فرمایا اور خود بھی ساتھ جانے کی تیاری فرمائی۔ بالآخر ایک عظیم جنگ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک بڑی کامیابی و فتح عطا فرمائی اور فتنیست سے مالا مال فرمایا۔ ”المواہب اللدنیہ“ میں ہے:

”ثم غزوة بدر الكبرى..... فقد كانت هذه الغزوة أعظم غزوات الإسلام.....
وكان خروجهم يوم السبت لثنتي عشرة خلت من رمضان على رأس
نسعة عشر شهراً..... وإنما قصد ﷺ والمسلمون التعرض لغير قريش،
وذلك إن أبا سفيان كان بالشام في ثلاثين راكباً، منهم عمرو بن العاص،
فأقبلوا في قافلة عظيمة، فيها أموال قريش، حتى إذا كانوا قريباً من
بدر، فبلغ النبي ﷺ ذلك فندب أصحابه إليهم وأخبرهم بكثرة المال وقلة
العدد، وقال: هذه غير لقريش، فيها أموال فأخرجوا إليها، لعل الله أن
ينفلكموها..... ولما التقى الجمعان تناول ﷺ كفاً من الحصيا فرمى به في
وجوههم وقال: شامت الوجوه..... فانهزموا وقتل الله من قتل من
صناديد قريش وأسر من أسر من أمرانهم..... ثم أقبل ﷺ قافلاً إلى
المدينة ومعه الأسارى من المشركين واحتمل النفل..... فلما خرج من
مضيق الصفراء قسم النفل بين المسلمين-“ قال تحته في الشرح:
“(واحتمل النفل) بفتح النون والفاء: “الغنيمة” والجمع: الأنفال”-

”بلاشبہ غزوہ بدر کبریٰ اسلام کی جنگوں میں سب سے اہم جنگ تھی۔ مسلمان ہجرت کے انیسویں مہینے رمضان المبارک کے بارویں روز اس غزوے کے لیے نکلے۔ اس جنگ میں آپ ﷺ اور مسلمانوں کا مقصود قافلہ قریش تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ابوسفیان تیس سو اوروں کے ہمراہ شام گئے ہوئے تھے جن میں عمرو بن عاص بھی شامل تھے۔ یہ لوگ ایک عظیم قافلہ لے کر چلے جس میں قریش کا پیش بہا سامان (تجارت) تھا۔ جب یہ قافلہ بدر کے قریب پہنچا تو رسول اللہ ﷺ تک اس قافلہ کی اطلاع پہنچی۔ آپ ﷺ نے

امریکہ و نیوی کی افواج کے لیے مسلمان لے جانے والے کنٹینروں کے متعلق اہم فتویٰ ----- فاسلوا اہل الذکر

اسی وقت صحابہ کرام کو اس کی جانب متوجہ کیا اور انھیں خبر دی کہ اس قافلے میں تھوڑے افراد ہیں جبکہ مال بیش بہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ قریش کا قافلہ ہے جس میں بہت سامان ہے، پس اس کی جانب نکلو، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بطور 'نفل' (یعنی بطور غنیمت) تمہیں عطا فرمائے گا۔..... پھر جب دونوں لشکر آٹھ آٹھ سامنے ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے منشی بھر ریت اٹھائی اور اسے مشرکین کے چہروں کی جانب یہ کہتے ہوئے پھینکا کہ: یہ چہرے نامراد ہوں! پس اس لشکر کفار کو شکست ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے قریش کے سرداروں میں سے جسے چاہا (مسلمانوں کے ہاتھوں) قتل کیا اور جسے چاہا گرفتار کر دیا۔ پھر آپ ﷺ مدینہ واپس لوٹے اور آپ کے ہمراہ کفار کے قیدی اور بہت سامان غنیمت تھا۔ جب آپ ﷺ صفراء کے درے سے نکلے تو آپ نے اس مال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ شرح میں لکھتے ہیں: 'نفل' سے مراد 'غنیمت' ہے، اور اس کی جمع 'انفال' ہے۔

[المواهب اللدنية بالمنح المحمدية مع شرح الزرقاني: ٢/ ٢٥٥، ٢٣٥. باب غزوة بدر العظمى، ط: العلمية، بيروت]

ابی طرح صلح حدیبیہ کے بعد جب حضور ﷺ نے شرائط کی زد سے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو کفار کی طرف واپس فرمادیا تھا تو وہ (مشرکین سے بھاگ کر) سمندر کے کنارے ایک مقام پر راکھ گئے تھے۔ پھر جب مکہ مکرمہ میں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو (جو کفار کے پاس پھنسے ہوئے تھے اور ان کے ڈر سے ہجرت نہیں کر سکتے تھے یا نئے نئے مسلمان ہوئے تھے) پتہ چلا تو وہ بھی ان کے پاس آکر جمع ہوتے رہے حتیٰ کہ یہ سترہ آدمیوں اور ایک روایت کے مطابق تین سو ۳۰ آدمیوں کی ایک جماعت بن گئی۔ اب ان حضرات کو جب بھی پتہ چلا کہ کفار کا تجارتی قافلہ شام جا رہا ہے (یا وہاں سے واپس آ رہا ہے) تو یہ اس کو روک لیتے اور اس کے سامان وغیرہ پر قبضہ کر کے اسے غنیمت بنا لیتے۔ اور حضور ﷺ نے معلوم ہونے کے باوجود ان پر کوئی تکبیر نہیں فرمائی اور نہ ہی انھیں منع فرمایا۔ چنانچہ ”نیل الأوطار“ میں ہے:

ثم رجع النبي ﷺ إلى المدينة، فجاءه أبو بصير رجل من قرين وهو مسلم فأرسلوا في طلبه رجلين، فقالوا: العهد الذي جعلت لنا فدفعةً إلى

امریکہ دیشوی افواج کے لیے سامان لے جانے والے کنٹینروں کے متعلق اہم فتویٰ ----- فاسطوا اهل الفكر

الرجلين..... فخرج حتى أتى سيف البحر، قال: وتَقَلَّتْ منهم أبو جندل بن سهيل فلقح بأبي بصير حتى اجتمعت منهم عصابة، فوالله ما يسمعون بعير خرجت لقربش إلى الشام إلا اعترضوا لها فقتلواهم وأخذوا أموالهم، قال في النيل: (قوله عصابة) أي: جماعة ولا واحد لها من لفظها، وهي تطلق على الأربعين فما دونها، وفي رواية ابن إسحاق: إنهم بلغوا نحو السبعين نفساً، وزعم سهيلي أنهم بلغوا ثلاثمائة رجل..... وفي الحديث دليل على أن من فعل مثل أبي بصير لم يكن عليه قود ولا دية”-

”پھر (صلح حدیبیہ کے بعد) نبی ﷺ مدینہ واپس لوٹ آئے۔ اتنے میں قریش کے ایک مسلمان ابو بصیر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ قریش نے دو افراد کو ان کی واپسی کے لیے بھیجا۔ وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: وہ معاہدہ جو آپ نے ہمارے ساتھ کیا ہے، اسے ایسا کیجیے۔ پس آپ ﷺ نے ابو بصیر کو ان افراد کے حوالے کر دیا۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ ان سے جان چھڑا کر سیف البحر جا پہنچے۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ بھی مشرکین مکہ سے جان بچا کر ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے آ ملے۔ ایسے میں یہ افراد کا ایک جتھہ بن گیا۔ سو اللہ کی قسم! یہ لوگ قریش کے جس قافلے کی بابت بھی سنتے کہ وہ شام کے لیے نکلا ہے تو اس سے جا بھڑتے، انھیں قتل کرتے اور ان کا مال اپنے قبضے میں لے لیتے۔ صاحب ثیل نے دوسری جگہ لکھا ہے: ’عصابت‘ سے مراد جماعت (جتھہ) ہے۔ اس لفظ کی واحد نہیں اور یہ چالیس افراد کے مجموعے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق ان لوگوں کی تعداد ستر تک پہنچ گئی تھی۔ سنہ ۱۱ کا خیال ہے کہ ان لوگوں کی تعداد تین سو تھی۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جو کوئی حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ جیسا عمل کرے گا تو وہ سزا کا مستحق ہے اور نہ اس پر کوئی دیت ہے۔“

[نبيل الأوطار شرح مفتي الأخبار من أحاديث سيد الأخبار: ٣٨/٨، ٥١، باب ما يجوز من الشروط مع الكفار إلخ، قصة أبي جندل مع المشركين، ط: مصطفى الهادي، مصر]

مطابق (۴) و (۱۳)

کہ دینی کاروں کے لیے سامان لے جانے والے کنٹینروں کے متعلق اہم فتویٰ۔۔۔۔۔ فاسملوا اهل الذکر

پس معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کی قوت توڑنے کے لیے ان کی تجارتی و معاشی سرگرمیوں کو ان، خصوصاً حالت جنگ میں ان کے فوجیوں کے لیے جانے والی امداد کی ناکہ بندی کرنا اور اس پر لاکھ کر کے قیمت بیانا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے تاکہ وہ معاشی طور پر کمزور ہوں اور مسلمانوں کو لالچ نہ کر سکیں!

۲۔ واضح رہے کہ مسلمانوں کا کفار سے دوستی کرنا، انھیں تقویت پہنچانا یا ان کے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون کرنا، خاص کر جب اس سے دیگر مسلمانوں کا نقصان ہو، شرعاً ناجائز و حرام ہے۔ جو لوگ کفار کے ساتھ دوستیاں کرتے ہیں اور بالواسطہ یا بلاواسطہ، ارادی یا غیر ارادی طور پر تنبیہ کے باوجود ان کی مدد کرتے ہیں، ایسے لوگوں سے قرآن وحدیث میں برکت کا اعلان کیا گیا ہے اور انھیں لعنت وعید سنائی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ
وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَوَاقَةٌ مِّنْهُم ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (المائدہ: ۵۱)
”اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بنانا، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں،
اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا، بے شک وہ ان ہی میں سے ہو گا۔
یقیناً اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتے۔“

تفسیر طبری میں ہے:-

”القول في تأويل قوله: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى
أَوْلِيَاءَ، اختلف أهل التأويل في المعنى بهذه الآية وإن كان مأثورًا بذلك
جميع المؤمنين..... والصواب من القول في ذلك عندنا أن يقال: إن الله
تعالى ذكره. نهى المؤمنين جميعًا أن يتخذوا اليهود والنصارى أنصارًا
وحلفاء على أهل الإيمان بالله ورسوله، وأخبر إن من اتخذهم نصيرًا
وخليفًا وليًا من دون الله ورسوله والمؤمنين ”فإنه منهم“ في التحزب
على الله وعلى رسوله والمؤمنين وإن الله ورسوله منه بريان..... ”ومن
يتولهم منكم فإنه منهم“ ومن يتولى اليهود والنصارى دون المؤمنين فإنه
منهم. يقول: فإن من تولاهم ونصرهم على المؤمنين فهو من أهل دينهم
وملتهم. فإنه لا يتولى متول أحدًا إلا وهو به وبدينه وما هو عليه راض.

(١٣٥) (٤) ملحق

امریکہ دینیکی افواج کے لیے سامان لے جانے والے کنٹینروں کے متعلق اہم فتویٰ ----- فاسطوا اهل الذکر

واذا رضى به ورضي دينه فقد عادى ما خالفه وسخطه وصار حكمه حكمه۔

”آیت ”يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى اولياء“ کی تفسیر: اہل تائویل کا اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا اس آیت میں تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے یا نہیں!

..... اور ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تمام مسلمانوں کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست اور مددگار بنائیں۔ اور یہ بتایا ہے کہ جو کوئی اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے مقابلے میں انھیں اپنا دوست، حلیف اور مددگار بنائے گا تو وہ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے مقابلے میں یہود و نصاریٰ کے گروہ میں شمار ہو گا، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس شخص سے بری ہوں گے۔

..... ”ومن يتولهم منكم فإنه منهم“ یعنی اور جو کوئی مسلمانوں کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست بنائے گا وہ انھی میں سے ہو گا۔ سو جو کوئی مومنین کے مقابلے میں انھیں اپنا دوست بنائے گا اور ان کی مدد کرے گا تو وہ انھی کے دین و ملت والا شمار ہو گا، کیونکہ کوئی شخص کسی دوسرے سے اسی وقت دوستی کرتا ہے جب وہ اس سے اور اس کے دین سے راضی ہوتا ہے، اور جب وہ اس سے اور اس کے دین سے راضی ہوا تو گویا اس نے اس دوست کی مخالفت کرنے والے دین سے دشمنی کی۔ پس ان دونوں کا حکم ایک سا ہوا۔

[جامع البیان فی تاویل القرآن للطبري: ۱۷۷/۶، ۱۷۹، المائدة ط: دارالمعرفة]

نیز تفسیر کبیر میں ہے:

”قوله تعالى: يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود الخ..... ومعنى لا تتخذوهم: أي لا تعتمدوا على الإستنصار بهم ولا تتوددوا إليهم، ثم قال: ومن يتولهم منكم فإنه منهم، قال ابن عباس يريد كأنه مثلهم، وهذا تغليب من الله وتشديد في وجوب محاربة المخالف في الدين۔“

امریکہ دینیکی افواج کے لیے سامان لے جانے والے کنٹینروں کے متعلق اہم فتویٰ ----- فاسطوا اهل الذکر

”اللہ تعالیٰ کا فرمان: ”انھیں دوست نہ بناؤ“ کا مطلب یہ ہے کہ مدد طلب کرنے کے معاملے میں ان پر اعتماد نہ کرو اور نہ ہی ان کی جانب محبت کی ٹھٹھکیں بڑھاؤ۔ پھر فرمایا: اور جو کوئی انھیں دوست بنائے گا تو وہ انھی میں سے ہو گا۔ (اس کے ذیل میں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح ہے۔ یہ آیت رب تعالیٰ کے اس سخت حکم کو بیان کرتی ہے کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ کفار سے مکمل کنارہ کشی اختیار کریں۔“

[التفسير الكبير للرازي: ۱۵/۱۲، ۱۶، الطبعة الثالثة]

[وكذا في: تفسير ابن كثير: ۵۶۱/۲، المائدة: ۵۱، ط: مكتبة فاروقية.
وكذا في: أحكام القرآن للجصاص: ۲۱۶/۲، ۲۱۷، مطلب الكافر لا يكون وليا للمسلم، ط: قديم۔

وكذا في: الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۲۱۶/۶، ۲۱۷، ط: الهيئة المصرية العامة للكتاب۔
دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ قَوْلَ اللَّهِ الْقَصِيدُ ﴿۱﴾ (آل عمران: ۲۸)

”مومن لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا یا مددگار نہ بنائیں۔ اور جو ایسا کرے گا، اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، الا یہ کہ تم ان (کے ظلم) سے بچنے کے لیے بچاؤ کا کوئی طریقہ اختیار کرو۔ اور اللہ تمہیں اپنے (عذاب) سے بچاتا ہے۔ اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے۔“

تفسیر طبری میں ہے:

”القول في تأويل قوله: لا يتخذ المؤمنون الخ..... ومعنى ذلك لا تتخذوا أيها المؤمنون الكفار ظهرا وأنصارا توالونهم على دينهم وتظاهروهم على المسلمين من دون المؤمنين وتدلونهم على عورتهم فإنه من يفعل ذلك فليس من الله في شيء يعني بذلك: فقد بريء من الله وبريء الله منه بإرتداده عن دينه ودخوله في الكفر۔“

”آیت لا یتخذ المؤمنون الخ..... کی تفسیر: اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اہل ایمان! تم کفار کو ہرگز اپنا انصار و مددگار نہ بناؤ، اس طرح کہ تم ان کے کفر کے باوجود ان سے دوستی کرو، مومنوں کو چھوڑ کر انھیں مسلمانوں پر غالب کرو اور مسلمانوں کے رازوں سے انھیں آگاہ کرو۔ پس جو کوئی ایسا کرے گا تو اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، یعنی اس کے دین سے ارتداد اور کفر میں داخل ہو جانے کے سبب وہ اللہ سے بری ہو اور اللہ اس سے بری ہوئے۔“

[جامع البیان فی تاویل القرآن للطبري: ۳/۲۲۷، ط: العلمیة۔]

اوکذا فی: تفسیر ابن کثیر: ۲/۶۹۸، آل عمران: ۲۸، ط: دار ابن حزم۔

وکذا فی: احکام القرآن للجصاص: ۲/۱۱۰، ط: العلمیة بیروت۔

وکذا فی: الجامع لاحکام القرآن للقرطبي: ۵/۸۷، ط: مؤسسة الرسالة۔

وکذا فی: تفسیر ابن ابی حاتم الرازي: المسمى: التفسیر المأثور: ۲/۱۲۹، رقم الحدیث: ۳۴۲۶، آل

عمران: ۲۸، ط: العلمیة بیروت۔

وکذا فی: التفسیر الكبير للطبراني: ۲/۳۶، ط: دارالکتب الثقافی۔

وکذا فی: فتح القدیرین فی الروایة والدراية من علم التفسیر للشوکانی: ۱/۴۱۷، ط: العلمیة]

قرآن کریم میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (المائدہ:۲)

”اور دیکھو نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔ اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں کسی کے ساتھ تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخُوفٌ عَلَيْهِ أَتُخَفِّئُ عَلَيَّ قَلْنُ أَكُونُ ظَهِيرًا لِلْمُخَلَّفِينَ﴾ (القصص: ۱۰)

”کہنے لگے کہ اے پروردگار تو نے جو مجھ پر مہربانی فرمائی ہے تو میں بھی آئندہ کبھی گنہگاروں کا مددگار نہ بنوں گا۔“

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال عطاء: فلا يحل لأحد أن يعين ظالماً ولا يكتب له ولا يصحبه وأنه إن فعل شيئاً من ذلك فقد صار معيناً للظالمين وفي الحديث: "ينادي مناد يوم القيامة أين الظلمة وأشباه الظلمة وأعوان الظلمة حتى من لاق لهم دواة أوبرى لهم قلماً فيجمعون في تابوت من حديد فيرمى به في جهنم" وبيروى عن النبي (صلى الله عليه وسلم) أنه قال: "..... من مشى مع ظالم ليعينه على ظلمه أزل الله قدميه على الصراط يوم ندحض فيه الأقدام" وفي الحديث: "من مشى مع ظالم فقد أجرم".

”حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی ظالم کی اعانت کرے یا اس کے کسی معاملے کو لکھے یا اس کی صحبت اختیار کرے، جس نے ان میں سے کوئی بھی کام کیا وہ ظالموں کا مددگار شمار ہوگا، چنانچہ حدیث شریف میں ہے: ”قیامت کے دن ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ کہاں ہیں ظالم لوگ؟ اور ان کے مددگار؟ یہاں تک کہ وہ لوگ جنہوں نے ظالموں کے دوات قلم کو درست کیا ہے، وہ سب لوہے کے ایک تابوت میں جمع کر کے جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے“ ایک دوسری روایت میں آنحضرت ﷺ سے منقول ہے کہ: ”جو شخص کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد کرنے کے لیے چلا تو جس دن لوگوں کے قدموں میں ایک جگہ ٹھہرنے کی طاقت نہیں ہوگی (یعنی قیامت کے دن) اس دن اللہ تعالیٰ اس کے قدموں کو پل صراط سے پھسلا دے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ: ”جو شخص کسی ظالم کے ساتھ چلا (اس کی مدد کرنے کے ارادے سے) وہ مجرم ہے۔“

[الجامع لاحکام القرآن للقرطبي: ۱۳/۲۶۳، القصص: ۱۷، ط: الهيئة المصرية العامة للكتاب]

مجم کبیر للطبرانی میں ہے:

”إن أوس بن شرحبيل أحد بني المجمع حدثه أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: من مشى مع ظالم ليعينه وهو يعلم أنه ظالم فقد خرج من الإسلام۔“

”اوس بن شرحبیل سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص ظالم کو ظالم سمجھتے ہوئے اس کی مدد کے لیے اس کے ساتھ چلا تو وہ اسلام سے نکل گیا۔“

امریکہ دنیوی افواج کے لیے سامان لے جانے والے کنٹینروں کے متعلق اہم فتویٰ فاسطوا امل الذکر

الکفار فأنزل الله تعالى هذه الآية: إن الذين توفاهم --- الآية وقيل: "ظالحي أنفسهم" بخروجهم مع المشركين يوم بدر وتكثير سوادهم حتى قتلوا معهم.... الخ".

"یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے زبان سے اسلام کا اقرار کیا تھا مگر ہجرت نہیں کی تھی۔ پس جب کفار بدر کے لیے روانہ ہوئے تو یہ لوگ بھی ان کے ہمراہ چلے آئے، اور انھی کے ساتھ مارے گئے۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: ان الذين توفاهم... اور آیت میں وارد "ظالحي أنفسهم" کی تفسیر میں یہ قول بھی ہے کہ چونکہ وہ بدر کے دن مشرکین کے ہمراہ جنگ کے لیے نکلے اور ان کی تعداد میں اضافے کا سبب بنے یہاں تک کہ کافروں کے ہمراہ قتل بھی ہوئے لہذا وہ ظالم ہیں۔"

[الباب التأويل في معاني التنزيل، المعروف بالخازن: ۱۶۲/۲۔ ط: العلمية]

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے:

"قوله تعالى: قالوا ألم تكن أرض الله واسعة فتهاجروا فيها..... ۵۹.۳ عن السدي قال: لما أسر العباس وعقيل ونوفل قال رسول الله ﷺ للعباس: أفد نفسك وابن أخيك. قال يا رسول الله ألم نصقل قبلك ونشهد شهادتك؟ قال يا عباس: إنكم خاصتم فخصيتهم، ثم تلا عليه هذه الآية: ألم تكن أرض الله واسعة فتهاجروا فيها..... الخ".

"آیت قالوا ألم تكن أرض الله واسعة فتهاجروا فيها..... کی تفسیر: سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ، عقیل اور نوفل گرفتار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس سے فرمایا: اپنے اور اپنے بھتیجے کے بدلے فدیہ دو۔ وہ کہنے لگے: اے رسول اللہ ﷺ! کیا میں آپ کے قبیلے کی جانب نماز نہیں پڑھتا اور کیا میں وہی گواہی نہیں دیتا جو آپ دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عباس! چونکہ تم نے لڑائی کی، سو تمہارے ساتھ لڑائی کی گئی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

ألم تكن أرض الله واسعة فتهاجروا فيها..... الخ"

[تفسير ابن أبي حاتم الرازي، ۱۶۲/۳، ۱۶۳، النساء: ۹۷، ط: العلمية، بيروت]

امریکہ دنیوی افواج کے لیے سامان لے جانے والے کنٹینروں کے متعلق اہم فتویٰ فاسطوا امل الذکر

فتح الباری میں ہے:

"باب: إن الذين توفاهم الملائكة ظالحي أنفسهم الآية: ۴۵۹۶: عن محمد بن عبد الرحمن أبو الأسود قال: قطع على أهل المدينة بعث فاكنتبت فيه، فلقيت عكرمة مولى ابن عباس فأخبرته، فنهاني عن ذلك أشد النهي، ثم قال: أخبرني عباس أن ناساً من المسلمين كانوا مع المشركين يكثر سواد المشركين على رسول الله ﷺ، يأتي السهم برمي به فيصيب أحدهم فيقتله أو يضرب فيقتل، فأنزل الله: إن الذين توفاهم الملائكة، رواه الليث عن أبي الأسود..... وغرض عكرمة إن الله ذم من كثرة سواد المشركين مع أنهم كانوا لا يريدون بقلوبهم موافقتهم، قال: فكذلك أنت لا تكثر سواد هذا الجيش وإن كنت لا تريد موافقتهم: لأنهم لا يقاتلون في سبيل الله".

"باب إن الذين توفاهم الملائكة ظالحي أنفسهم الآية: محمد بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ اہل مدینہ کو ایک لشکر تیار کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے بھی اس میں اپنا نام لکھوا دیا۔ پھر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام حضرت عمرہ رحمہ اللہ سے ملا تو میں نے آپ رضی اللہ عنہما کو اس بات کی خبر دی۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہما نے مجھے شدت کے ساتھ ایسا کرنے سے منع کیا اور پھر کہنے لگے: مجھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ (بدر کے دن) مشرکین کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کے لیے نکلے اور ان کی تعداد میں اضافے کا باعث بنے۔ پھر ان میں سے کسی کو تیر لگا اور وہ مارا گیا، اور کوئی تلوار کی ضرب لگنے سے جان سے گیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ان الذين توفاهم الملائكة وہ لوگ جنہیں فرشتوں نے مارا، وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔"

اس واقعہ کے ذریعے حضرت عمرہ رحمہ اللہ نے یہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین کی تعداد میں اضافے کا باعث بننے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، چاہے وہ دل سے ان مشرکین کے ساتھ راضی نہ ہوں۔ اسی وجہ سے آپ رحمہ اللہ نے راوی سے فرمایا:

اس کی دینیکی افواج کے لیے سامان لے جانے والے کنٹینروں کے متعلق اہم فتویٰ ----- فاسئلوا اهل الذکر

اسی طرح تم (اس لشکر میں شامل ہو کر) اس کی تعداد و مت بڑھاؤ جبکہ تم ان سے متعلق نہیں ہو، کیونکہ یہ لوگ اللہ کی راہ میں نہیں لڑ رہے۔“

[فتح الباری: ۲۲۳، ۲۲۴/۹، کتاب التفسیر، النساء: ۹۷ ط: العلمیہ، بیروت]

الہدایہ والنہایہ میں ہے:

”وقد ذکر ابن إسحاق فیمن قتل يوم بدر مع المشركين ممن كان مسلما ولكنه خرج معهم ثقیة منهم لأنه كان فیهم مضطهدا قد فتنوه عن إسلامه جماعة منهم، الحارث بن زمعة بن الأسود، وأبو قیس بن الفاکہ [وأبو قیس بن الولید بن المغیرة] وعلي بن أمیة بن خلف، والعاص بن منبه بن الحجاج. وفیهم نزل قوله تعالى: (الذين توفاهم الملائكة ظالمی أنفسهم --- الآية) وكان جملة الأسارى يومئذ سبعین أسیرا --- منهم من آل رسول الله صلى الله علیه وسلم عمه العباس بن عبد المطلب، وابن عمه عقیل --- الخ“۔

”ابن اسحاق رحمہ اللہ نے ان مسلمانوں کا تذکرہ کیا ہے جو اپنے اسلام کو چھپاتے ہوئے بدر کے روز مشرکین کے ہمراہ نکلے تھے اور پھر انھی کے ہمراہ مارے گئے۔ یہ لوگ الی مکہ کے درمیان ذلت کی زندگی گزار رہے تھے، اور ان میں سے کچھ لوگوں کو اسلام کے سبب اذیتیں بھی دی گئیں۔ ان مارے جانے والوں میں حارث بن زمعة بن اسود، ابو قیس بن فاکہ (ابو قیس بن ولید بن مغیرہ)، علی بن امیہ بن خلف اور عاص بن منبه بن حجاج شامل ہیں۔ انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: الذين توفاهم الملائكة ظالمی أنفسهم --- الآية۔ نیز بدر کے روز کل ستر افراد مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، ان میں رسول اللہ ﷺ کے خاندان میں سے آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے بھتیجے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔“ (حضرت عقیل اس وقت مسلمان نہ تھے، بعد میں فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور کچھ کے مطابق آپ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ مدیر)

[البدایہ والنہایہ، المجلد الثانی، الجزء: ۲۹۶، ۲۹۷، غزوة البدر العظمی، طرح رؤوس الکفر

فی بدر، قبل فصل: وقد اختلف الصحابة فی الأسارى، ط: دارالتران للتراث۔

وقیه أيضا: المجلد الثالث: الجزء: ۳۰۰/۱، أيضا، ط: دارالتران للتراث]

اس کی دینیکی افواج کے لیے سامان لے جانے والے کنٹینروں کے متعلق اہم فتویٰ ----- فاسئلوا اهل الذکر

درج بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ: جو مسلمان کسی بھی طرح کفار کی مدد و اعانت کریں خواہ ان کے ساتھ لڑائی میں شامل ہو کر، خواہ لڑائی کا سامان ان تک پہنچا کر، ہر صورت وہ بھی انہیں کفار کی طرح اسلام کے دشمن اور شریعت کی نگاہ میں مجرم ہیں، چنانچہ اگر ایسے مسلمان جنگ زدہ علاقے میں پکڑے جائیں تو انہیں قید کرنا اور اگر ضروری ہو تو قتل کرنا شرعاً جائز ہے، پھر قید کی صورت میں اگر تاوان لے کر چھوڑنا مناسب ہو تو اس کی بھی اجازت ہے۔

س۔ کنٹینر کا حکم بھی وہی ہے جو اس میں موجود سامان کا ہے، یعنی اگر جنگ زدہ علاقہ میں مجاہدین اس کنٹینر پر قبضہ کر لیں تو وہ اس کے اندر موجود سامان کی طرح اس کنٹینر کو بھی بطور غنیمت لے سکتے ہیں۔

فقط، واللہ اعلم

کتبہ

محمد ولی اللہ حسین

المختصص فی الفقہ الإسلامی

جامعة العلوم الإسلامیة

علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

۱۳ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ / ۲۳ اگست ۲۰۱۰ء

ہمارے سامنے ایسی مثالوں کی کمی نہیں جہاں کوئی دینی جماعت اخلاص کے ساتھ سالہا سال خدمت دین میں مصروف رہی، لیکن جب غبار چھٹا تو معلوم ہوا کہ دشمن کو سمجھ نہ پانے کے سبب اس کی جدوجہد کا بیشتر فائدہ بالآخر مسلمانوں کی بجائے کفار کو پہنچا۔

پھر بالخصوص جب معاملہ جہاد و قتال کا ہو، تو وہاں اس حوالے سے چوکنار ہٹا اور بھی اہم ہو جاتا ہے۔ جنگ تو کہتے ہی اس کو ہیں کہ دشمن کو اپنے ارادوں اور منصوبوں سے غافل رکھا جائے اور اس کے خلاف محکم تدبیریں اور موثر چالیں استعمال کی جائیں۔ ایسے میں دشمن کے اصل منصوبوں اور اس کے حقیقی نظریات و مقاصد سے غفلت مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مجاہد عالم دین شیخ ابوالولید الانصاری الفسطینی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”جان لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: ”الحرب خدعة“ میں وارد ہونے والے لفظ (خدعة) کو چھ (۶) طرح سے اور کیا جاسکتا ہے۔ انہی میں سے ایک تحفظ یہ ہے کہ اسے (خدعۃ) پڑھا جائے، اور اس صورت میں حدیث مبارکہ کا معنی یہ ہو گا کہ: جنگ ایک ایسا میدان ہے کہ اگر کوئی فریق اس میں ایک بار دھوکا کھا جائے اور پھسل کر گر جائے تو جنگ اسے دوبارہ اٹھنے کا موقع نہیں دیتی۔ اسی طرح اس لفظ کو (خدعۃ) بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ اس صورت میں حدیث کا مفہوم یہ بنے گا کہ: جنگ کی فطرت یہی ہے کہ وہ دھوکا دیتی ہے، یعنی جنگ میں ہر فریق یہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے اصل ارادے و عزائم پہنچنے میں چھپائے رکھے اور فریق مخالف کو اپنے اصل منصوبے کے بالکل برعکس تاثر دے۔ پس یہ حدیث مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارا دشمن ظاہر میں جو اقوال و افعال کر رہا ہو، ان کے پس منظر میں موجود اصل ارادوں اور منصوبوں سے ہر دم ہوشیار رہنا واجب ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جو علوم اور جو بھی مباح اسباب دشمن کے اصل نظریات، ارادے اور منصوبے سمجھنے میں مدد دیں، ان کا سیکنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔ فقہی اصول ہے کہ ”بما لا یمنم الواجب إلا بہ فہیو واجب“، یعنی جس کام کو کے بغیر کسی واجب کی ادائیگی ناممکن ہو تو خود وہ کام بھی واجب ہو جاتا ہے۔ اب چونکہ ان علوم کو سکھنے بغیر اسلامی سرحدات کا تحفظ ناممکن ہے اس لیے یہ علوم سیکنا بھی واجب ہے۔ الغرض، ایسی چالیں اور تدبیریں سیکنا بھی شرعاً واجب ہے جن سے دشمن کی شوکت توڑی جاسکے اور اہل اسلام کا دفاع یقینی بنایا جاسکے۔“ (رسائل الفقہور للشیخ ابی الولید۔ الرسالة الثامۃ)

اسی مضمون میں ایک مقام پر آپ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ:

”محکم ہے کہ کسی عام مسلمان کے لیے اس نظام ہی کافی ہو کہ بیور، انصاری، جوس اور دیگر دشمنانِ امین، اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ہر دم سازشوں میں مصروف رہتے ہیں، لیکن صاحب حیثیت اطراو اور مسلمانوں کے اہل صل و عقد کے لیے علم و معرفت کی یہ سطح قطعی نا کافی ہے۔ ان پر تو لازم ہے کہ دو کفار کی چالوں اور تدبیروں کو گہرائی سے سمجھیں، ان کے مخفی پیکلوں کو چالیں، ان کی اہانت و اقسام سے واقف اور

شریعت اسلامیہ جس طرح ایک بندہ مومن کو اس کی زندگی کے تمام دیگر پیکلوں پر رہنمائی فراہم کرتی ہے، ہر معضرت چیز سے خبردار کرتی اور ہر خیر و بھلائی سے روشناس کراتی ہے، بالکل اسی طرح وہ اسے اس امر پر بھی ابھارتی ہے کہ وہ اعدائے اسلام کے شرور سے بچے، ان کا مقابلہ کرنے اور انہیں شکست دینے کے لیے دشمن اور اس کی مختلف اصناف کو پہچانے، ہر صنف کے عقائد، نظریات، تاریخ و پس منظر اور اہداف و مقاصد کو سمجھے اور کفر پر قائم نظام ہائے باطل کا عمیق فہم حاصل کرے۔ نیز یہ جاننے کی سعی کرے کہ ان نظام ہائے باطل کی قوت کا منبع کیا ہے؟ ان کے کمزور مقامات کون سے ہیں؟ ان کے منصوبے کیا ہیں؟ اور چالیں اور طریقے کیا؟ قرآن عظیم الشان میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

”اور اسی طرح ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں (چونکہ تم لوگ ان پر عمل کرو) اور تاکہ مجرموں کا دست ظاہر ہو جائے۔“ (سورۃ انعام: ۵۵)

گویا قرآن عظیم الشان کی تعلیمات کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندے، اللہ کے نالہماؤں اور اسلام کے دشمنوں کا دست اچھی طرح پہچان جائیں اور پوری بصیرت کے ساتھ ان کا مقابلہ کریں۔ متعدد مفسرین، مثلاً علامہ زحشری، اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ: ”(قرآن میں اتنی کھول کھول کر آیات بیان کر دیتے ہیں مقصود یہ ہے کہ تم پر ان مجرموں کا دست واضح ہو جائے اور پھر تم ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اسی طرح معاملہ کرو جیسا کہ (ان کو جان لینے کے بعد) ان کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔“

ان کے مقاصد و اہداف پر مطلع ہوں۔ اور یہ سب بھی ممکن ہے جب وہ اپنے علم و فہم کے دائرے کو وسیع کریں اور میدان عمل میں ان کے ارتکاب واقعات و حادثات کا قریب سے مشاہدہ کریں۔ (رسائل النور للشیخ ابی الولید، الرسالة الثامنة)

آج عالم اسلام ایک ہمہ جہت صلیبی صیہونی یلغار کی زد میں ہے اور اس یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے ایمانی زار راہ مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ دشمن کو سمجھنا اور اس کو سمجھ کر اس کے مقابلے کے لیے اپنی صفیں ترتیب دینا ضروری ہے۔ یہی پس منظر ذہن میں رکھتے ہوئے ہم نے گزشتہ شمارے سے "اعرف عدوک" ("اپنے دشمن کو پہچانیے") کے عنوان تلے ان شاء اللہ یہ مستقل سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس سلسلے کی ابتداء عالمی نظام کفر کے سب سے اہم اور مرکزی ستون، یعنی اس کی "عسکری طاقت" کو سمجھنے اور اس کے پس منظر میں کار فرما نظریے و فلسفے کا جائزہ لینے سے کی گئی ہے۔

پچھلے شمارے میں ہم نے پڑھا تھا کہ انقلاب فرانس کے بعد دنیا بھر میں رائج ہونے والی جدید عسکریت کو سمجھنے کے لیے امریکہ و یورپ کے نمایاں عسکری ماہرین و مفکرین کے نظریات کا مطالعہ ضروری ہے۔ اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے گزشتہ شمارے میں ہم نے کلاؤس کے نظریات کا جائزہ لیا۔ اس دفعہ ہم ان شاء اللہ ایسے تین مزید مغربی مفکرین کے نظریات کا مطالعہ کریں گے، جن کی تجویز کردہ حکمت عملی کو امریکہ اور مغرب نے سرد جنگ کے دوران روس کے خلاف اپنایا اور امریکی فوج کی تنظیم نو بھی اسی کی روشنی میں ہوئی۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد اب مغرب اپنی نظریات اور حکمت عملیاں امت مسلمہ اور مجاہدین کے خلاف اپنانے ہوئے ہے۔ (مدیر)

مغرب اور امریکہ کی عالمی افواج کی تنظیمی ساخت

اس وقت دنیا میں دو طرح کی افواج پائی جاتی ہیں:

- ایک روایتی قومی افواج، جیسا کہ ہر ایک ملک نے اپنی ایک روایتی فوج بنا رکھی ہے۔
- اور دوسری عالمی افواج جیسے امریکہ، ایسٹ، اقوام متحدہ اور نیٹو کی افواج۔

پھر عالمی افواج کے بھی دو حصے ہیں: ایک روایتی عالمی فوج اور دوسرا رعب قائم کرنے والی عالمی غیر روایتی فوج۔

روایتی قومی افواج اور عالمی افواج میں فرق

روایتی قومی افواج اور عالمی افواج دونوں کی تربیت و تنظیم کلاؤس کے نظریے ہی کی بنیاد پر ہوتی ہے مگر ان میں فرق ان کی تشکیل کے نظریات کی بنا پر آتا ہے۔ زمانہ قدیم سے کسی بھی

لی قوت کو استعمال کرنے کا مقصد دشمن کے 'ارادہ جنگ' (will to fight) کو ختم کرنا ہی رہا ہے اور اس عملہ آور کے مطالبات مان لے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ انسان کا حوصلہ جنگ اور ارادہ جنگ کیسے کمایا جائے؟ اس مقصد کے حصول کے تین طریقے ہیں:

- پہلا طریقہ پیش بندی کا طریقہ کہلاتا ہے۔ اس طریقے میں عسکری قوت کو اس انداز میں استعمال کیا جاتا ہے کہ دشمن جنگ کے لیے نکلنے سے پہلے ہی جنگ کا ارادہ ترک کر دے۔
- جنگ کا دوسرا طریقہ رعب قائم رکھنے کا طریقہ ہے۔ اس طریقے میں اگر دشمن جنگ کے لیے نکل بھی آئے تو اسے یہ باور کروانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسے جنگ سے متوقع فائدے کی نسبت کئی گنا زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔
- اگر پیش بندی اور رعب قائم رکھنے کے طریقے ناکام ہو جائیں تو پھر روایتی جنگ کا طریقہ اپنایا جاتا ہے۔

عالمی فوج کی حیثیت حاصل کرنے کے لیے امریکہ نے انہی تین طریقہ ہائے جنگ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی فوج کو منظم کیا ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عالمی افواج کو مذکورہ طریقوں کے تحت کیسے منظم کیا گیا؟ اس کے لیے ہمیں جدید عسکری نظریات میں سے تین اہم نظریات کو سمجھنا ہو گا۔ لہذا یہاں ہم پہلے ان نظریات کو بیان کریں گے اور پھر ان کی روشنی میں عالمی افواج کی تشکیل کا جائزہ لیں گے۔

عالمی افواج کی تشکیل کے نظریات

عالمی افواج کی تشکیل میں تین نظریات اہم ہیں:

- موہان (Mohan) کا بحری طاقت (Sea Control) کا نظریہ
- لڈل ہارٹ کا بالواسطہ رسائی (Indirect Approach) کا نظریہ
- اینڈریس بیو فری (Andre Beaufre) کا ایٹمی زمانے میں بالواسطہ حکمت عملی (Indirect Strategy) کا نظریہ

موہان کا نظریہ

امریکی بحریہ کے وائس ایڈمرل موہان Mohan نے ریٹائر ہونے کے بعد ۱۸۹۰ء میں اپنی مشہور زمانہ کتاب "Influence of sea on world power" (عالمی طاقت سمندری قوت کے اثرات) لکھی جس کی بدولت وہ ایک تاریخ دان کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ اس کتاب نے امریکی حکومت کی حکمت عملی انقلابی حد تک بدل کر رکھ دی، یہاں تک کہ اس وقت کے امریکی صدر روزویلٹ نے اپنی تمام تر توجہ بحری طاقت کے حصول پر مرکوز کر دی۔

اپنی کتاب Race to the swift میں جدید دور کا عسکری ماہر رچرڈ سمن لکھتا ہے کہ "جتنے بھی عسکری نظریات آج تک پیش ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک کی کوئی نہ کوئی حد ہے، لیکن موہان کے نظریے کی کوئی حد نہیں۔"

معیشت و معرکیت کا باہمی ربط

موہان اپنی کتاب میں یہ بات واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ نہ تو معیشت کی مضبوطی عسکری قوت کے بغیر ممکن ہے اور نہ عسکری قوت معیشت کے بغیر حاصل کی جاسکتی۔ گویا عسکری قوت میں اضافے اور معیشت کی مضبوطی کا ایک دوسرے سے گہرا رشتہ ہے۔ اس بات کو وہ تاریخی حوالوں سے خصوصاً انگلستان اور یورپ کی تاریخ سے ثابت کرتا ہے۔

”سمندروں پر قبضہ (sea control) کا نظریہ“

مزید وہ کہتا ہے کہ عالمی طاقت بننے کے لیے سمندر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، لہذا سمندر پر سیاسی اور عسکری غلبہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ یعنی عالمی طاقت بننے کے لیے سمندروں بالخصوص بحری تجارتی گزرگاہوں پر مکمل قبضہ (sea control) حاصل کرنا ضروری ہے۔ تاریخ اور جغرافیہ کی مدد سے موہان یہ ثابت کرتا ہے کہ دنیا کی اہم ترین بندر گاہیں کمزور ممالک میں موجود ہیں، جبکہ وہاں سے دنیا بھر کا مال تجارت گزرتا ہے۔ ان پر قبضہ کرنے سے خود بخود دنیا کی تجارت امریکہ کے ہاتھوں میں آجائے گی۔ لہذا امریکہ کو چاہیے کہ کسی نہ کسی طرح ان بندر گاہوں پر سیاسی برتری حاصل کرے اور جہاں سیاسی برتری حاصل کرنا ممکن نہ ہو، وہاں عسکری قبضہ کرے۔ ان اہم بندر گاہوں کو اس نے ”تزویراتی مراکز“

(Strategic Points) کا نام دیا ہے۔ موہان کے مطابق ایسے مقامات کا انتخاب کرنا چاہیے جو سمندروں کے بجائے چھوٹے سمندروں پر واقع ہوں، جن کے قریب تجارتی گاہیں بھی ہوں اور وہ جغرافیائی اعتبار سے ایسے ”تزویراتی خطوط“ تشکیل دیتے ہوں جن سے دوسروں پر حملہ بھی کیا جاسکے اور دوسروں کے مقابلے میں اپنا دفاع بھی کیا جاسکے۔ اس نے امریکی حکومت کو مشورہ دیا کہ اس حکمت عملی کو امریکہ سے متصل سمندروں میں لالہ نور نافذ کیا جائے۔ آج امریکی بحری افواج کے تنظیمی ڈھانچے اور دنیا کے اہم بحری مقامات پر اس کی موجودگی کو دیکھنے سے امریکی سیاست پر اس نظریے کے اثرات خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں۔

لالہ ہارٹ کا بالواسطہ رسائی (Indirect Approach) کا نظریہ

پہلی جنگ عظیم کے دوران عسکری ٹیکنالوجی میں اچانک ترقی ہوئی جس کے سبب نہایت سہل و موثر ہتھیار وجود میں آ گئے۔ مگر اس کی مناسبت سے فوجوں کی تربیت نہ کی جاسکی، جس کا نتیجہ Attrition Warfare یا ”تباہی کے طریقہ جنگ“ کی صورت میں نکلا۔ یہ وہ طریقہ جنگ ہے جس میں حملے کا بنیادی مقصد دشمن کے حجم کو اتنا نقصان پہنچانا ہوتا ہے کہ اس کی بادی طاقت تباہ ہو جائے اور وہ جنگ لڑنے کی سکت کھو بیٹھے۔ یہاں ’جہم‘ سے مراد تمام افرادی، صنعتی اور عسکری قوت اور تمام تر وسائل و اسباب ہیں۔ گویا دشمن کی فوج، فوجی ساز و سامان، شہری آبادی، کارخانے، ڈیم سبھی کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طریقہ جنگ میں دونوں اطراف کو بے تحاشہ تباہی اور نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور

۱ یہاں ”تزویراتی مراکز“ یا (Strategic Points) سے منسوب وہ مقامات ہیں جو جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کے حامل ہوں۔

۲ ظاہر ہے کہ یہاں ہم کفار کے جنگی نظریات اور طریقوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، تاکہ ان کو سمجھ کر ان کا بہتر طور پر مقابلہ کر سکیں۔ البتہ ہم خود جنگ کے لیے جو بھی حکمت عملی اختیار کریں گے اس کے لیے ہمیں شریعت سے رجوع لازم ہو گا اور حاکم شرعی اہل اہل اور ناجائز اہل میں فرقی کرنا ہو گا۔

فتح اسی وقت ممکن ہوتی ہے جب دشمن اپنے امن و سکون اور اپنی بقاء کے بدلے شکست برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اس طریقہ جنگ کو عسکری اصطلاح میں بعض اوقات 'بے مقصد ذبح خانہ' کہا جاتا ہے، کیونکہ بہت سے ایسے عسکری اہداف جنہیں بہت کم تباہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے، یوں بہت زیادہ تباہی کے بعد ہی حاصل ہو پاتے ہیں۔ پہلی جنگ عظیم میں عملاً یہی 'ذبح خانہ' دیکھنے کو ملا، جب یورپ کی مختلف کافر اقوام نے ایک دوسرے پر دیوانہ وار حملے کر کے یورپ، افریقہ اور ایشیا کے بہت سے علاقوں کو کھنڈر میں تبدیل کر دیا اور ہولناک قتل و غارت کی۔ اس جنگ کے بھیانک نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے بہت سے عسکری ماہرین نے نئے نظریات پیش کیے جنہیں Maneuver Warfare یا "چال بازی کا طریقہ جنگ" کہا گیا۔ ان میں سب سے زیادہ مقبولیت مشہور عسکری ماہر لڈل ہارٹ کے "بالواسطہ رسائی کے نظریے" (Indirect Approach) کو حاصل ہوئی۔

نظریے کی تفصیل

لڈل ہارٹ کا نظریہ یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ آنے سامنے براہ راست مقابلے کی بجائے اس کے کمزور ترین عضو پر اپنے مضبوط ترین عضو سے حملہ کیا جائے تاکہ دشمن کا جسم اپنی جگہ سے اٹل جائے (dislocate ہو جائے) اور نتیجتاً اس کے لڑنے کا ارادہ (Will to Fight) ہی سلب ہو جائے۔ اس کی سادہ مثال یہ ہے کہ ٹیل کو سیٹگوں سے پکڑنے کی بجائے شیر اپنے مضبوط جڑے سے اس کی گردن دیوچ لیتا ہے جس سے ٹیل لڑکھڑا جاتا ہے اور پھر نہ وہ اپنے سینگ استعمال کرنے کی حالت میں ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے پاؤں۔ اس طرح دشمن پر براہ راست (direct) سامنے آکر حملہ کرنے کی بجائے بالواسطہ (indirectly) یا مڑ کر حملہ کیا جاتا ہے۔ یوں بہت کم دقت اور کم قوت سے جنگ جیتی جاسکتی ہے۔

دشمن کو لڑکھڑا دینے (dislocation) کے طریقے

لڈل ہارٹ اپنے نظریے میں کہتا ہے کہ دشمن کے ارادہ جنگ کو ختم کرنے کے لیے مادی اور نفسیاتی محاذ، دونوں پر لڑنے کی ضرورت ہے، جو کہ چار طریقوں سے ممکن ہے:

- محاذ جنگ کو یکدم تبدیل کرنا۔
- دشمن کی قوت کو منتشر کر دینا۔

- اس کی رسد کو کاٹ دینا۔
- اس کی واپسی کے راستوں کو بند کرنا۔

یہ چاروں، حملے کے بالواسطہ طریقے ہیں جن سے مقصود دشمن پر سیدھا حملہ کر کے اسے ہار کرنے کے بجائے، اس کے آزادانہ کام کرنے کی صلاحیت کو محدود کرنا (restriction of freedom of action) ہے، جبکہ اپنے سامنے تمام دروازے کھلے رکھنا ہے۔ اس طرح دشمن کی قیادت کو شدید نفسیاتی دھچکا لگتا ہے، اس کا ذہن مفلوج ہو جاتا ہے اور نتیجتاً بہت سی مادی قوت رکھنے کے باوجود بھی دشمن لڑکھڑا جاتا ہے۔ یوں بڑے سے بڑے دشمن پر بآسانی قابو پایا جاسکتا ہے۔

یہ نظریہ مغرب میں بہت مقبول ہوا اور دوسری جنگ عظیم میں اسی کو استعمال کیا گیا۔ مگر یہ نظریہ خالصتاً عسکری نظریہ تھا جس کے اثرات بھی صرف عسکری میدان تک محدود رہے۔

یہ فری کا ایٹمی زمانے میں بالواسطہ تدبیرات کا نظریہ (Indirect Strategy)

اینڈریس بیوفری (Andre Beaufre) ایک فرانسیسی جرنیل تھا جس نے نیٹو (NATO) کی تنظیم نو میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے ۱۹۵۵ء میں الجزائر کی جنگ اور ۱۹۵۶ء میں نہر سویز کے تنازعے میں اپنی فوج کی قیادت کی تھی۔ ۱۹۶۳ء میں اس نے "ایٹمی زمانے میں بالواسطہ تدبیرات (indirect strategy) کا نظریہ" پیش کیا جسے اس کے پیش رو اور عسکری ماہر لڈل ہارٹ نے دورِ جدید کا بہترین نظریہ قرار دیا۔ یہ فری کے مطابق اس کا نظریہ لڈل ہارٹ اور موبان کے نظریات کا تسلسل اور ان دونوں کا وسیع تر تصور ہے۔ اس نے دونوں نظریات کی خوبیوں کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں محض عسکری میدان تک محدود رکھنے کی بجائے قوت کے تمام سرچشموں پر یکساں طور پر لاگو کیا۔

بیوفری اور لڈل ہارٹ کے نظریات کے مابین فرق

بیوفری اپنے اس نظریے اور لڈل ہارٹ کے بالواسطہ رسائی کے نظریے کا فرق بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ لڈل ہارٹ کا نظریہ صرف عسکری نوعیت کا حامل، ایک خاص خطے میں مقید اور چال بازی کے طریقہ جنگ (Maneuver warfare) تک محدود تھا۔ بیوفری نے لڈل ہارٹ کے نظریے سے 'دشمن کی آزادانہ حرکت کو محدود کرنے' کا تصور لیا اور اسے وسعت دیتے ہوئے موہان کے 'مسندروں پر قبضے کے نظریے' کے ساتھ ملا دیا، جس سے پورے کرۂ ارض پر محیط ایک زیادہ جامع نظریہ وجود میں آیا۔ اس نے یہ بھی واضح کیا کہ اگر اس نظریے پر عمل کیا جائے تو ایٹمی جنگ کے امکانات کو کافی حد تک محدود کیا جاسکتا ہے۔

بیوفری نے اس نظریے کو 'بالواسطہ' اس لیے کہا ہے کہ اس میں فوجوں کی آپس میں لڑائی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ اس نظریے کے مطابق دشمن کے گرد حین حصار قائم کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے دو حصار دشمن کے علاقے سے باہر ہوتے ہیں، جبکہ تیسرا دشمن کے علاقے کے اندر ہوتا ہے اور وہ بھی صرف ضرورت کے وقت قائم کیا جاتا ہے۔ لہذا اصلاً دشمن کو بیرونی دو حصاروں کی مدد سے ہی شکست دی جاتی ہے۔

بیوفری کے نظریے کے اہم نکات

- بیوفری کے نظریے کا ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ وہ پیش بندی (pre-emptive) طریقہ جنگ اپنانے کا داعی ہے۔ یعنی وہ خطرہ کھڑا ہونے سے قبل ہی اس کا سدباب کرنے کی راہ تجویز کرتا ہے۔
- بیوفری کے مطابق اگر دیگر ممالک کے گرد حصار قائم کر کے ان کی کام کرنے کی صلاحیت کو محدود کر دیا جائے تو دنیا میں بڑی قوتوں کو کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔
- دوسروں کی کام کی صلاحیت کو محدود کرنے سے بڑی طاقتیں محدود پیمانے کی مادی قوت کو محدود جغرافیائی خطے میں استعمال کرتے ہوئے اپنے وسیع اہداف حاصل کر سکیں گی۔

بیوفری کے نظریے کی تطبیق

بیوفری اپنے نظریے کی تطبیق بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کرتا ہے جس کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ وہ کہتا ہے کہ سب سے پہلے دنیا میں عسکری رعب قائم کرنے والی ایک قوت ہونی چاہیے جو ہر وقت دشمن پر نفسیاتی دباؤ ڈالے رہے۔ یہ قوت ایٹمی اور روایتی دونوں طرح کے ہتھیاروں کی حامل ہونی چاہیے۔ اسے وہ Military Deterrence Force یا 'عسکری رعب قائم رکھنے والی قوت' کہتا ہے۔ اس قوت کا کام دشمن پر دہشت قائم رکھتے ہوئے اسے اپنے خلاف کسی قسم کا بھی اقدام کرنے سے روکنا ہے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب دشمن کو یہ دکھائی دے کہ اگر اس نے حالت امن سے نکل کر کوئی بھی قدم اٹھایا تو اس کے عواقب بہت خطرناک ہوں گے اور جواب میں اسے کئی گنا زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ جدید عالمی نظام میں اس قوت کو تشکیل دینے کے لیے امریکہ نے اپنی افواج کے ساتھ نیٹو اور اقوام متحدہ کی افواج کو ملایا ہے اور ان تینوں کے اشتراک سے قائم کردہ حصار آج پوری دنیا پر محیط ہے۔

اس قوت کا ہدف دشمن کے 'کام کرنے کی صلاحیت' کو اس طرح محدود کرنا ہے جیسے 'بونوں' نے 'گلیور' کو باندھ دیا تھا۔ بونوں اور گلیور کی حقیقت مغربی ثقافت میں بچوں کی ایک خیالی کہانی ہے جس میں گلیور نامی شخص ایک جزیرے میں جاتا ہے جہاں کے باشندے اس کی انگوٹھے سے بھی چھوٹے ہوتے ہیں۔ جب وہ تھک ہار کر سو جاتا ہے تو یہ بونے باریک رسیوں کے ذریعے اس کے جسم کے تمام حصوں کو باندھ کر اسے زمین سے ٹھونک دیتے ہیں۔ جب گلیور جاگتا ہے تو جسمانی طور پر صحیح سالم اور بونوں سے کہیں گنا زیادہ قوی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو حرکت کرنے سے قاصر پاتا ہے۔ عین اسی طرح عسکری رعب قائم رکھنے والی عالمی قوت کے ذریعے دشمن کے گرد ایک بیرونی حصار بنایا جاتا ہے اور اس کے ذریعے دشمن کی کام کرنے کی صلاحیت کو محدود کر دیا جاتا ہے۔ یہ حصار زیادہ تر موہان کے 'مسندروں پر قبضے کے نظریے' کے ذریعے بنتا ہے۔

۲۔ اس خارجی عسکری حصار کے اندر ایک اور غیر عسکری (معنوی) حصار قائم کیا جاتا ہے۔ اس حصار سے مقصود وہ سیاسی، اقتصادی اور سماجی ذرائع ہیں جن کے ذریعے دشمن کے ارادہ

جنگ کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگرچہ حصار غیر عسکری ہے مگر اس کا مقصد عسکری ہوتا ہے۔ یہ حصار ہر قوم کے لیے علیحدہ علیحدہ ترتیب دیا جاتا ہے۔ اسے قائم کرنے میں اقوام متحدہ اور اس کے ذیلی ادارے، این جی اوز، پرائیویٹ کمپنیاں، ذرائع ابلاغ اور خفیہ ادارے وغیرہ مدد دیتے ہیں۔

اس حصار میں ذرائع ابلاغ کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے۔ بیوفری کہتا ہے کہ اگر خارجی عسکری حصار کے ساتھ ساتھ اس داخلی حصار کی سطح پر عالمی و مقامی ذرائع ابلاغ کے ذریعے دشمن کے نظریات کو باطل اور غلط تسلیم کر دیا جائے، تو دشمن کے لڑنے کا عزم اس حد تک کمزور پڑ جائے گا کہ وہ لڑنے کے متعلق سوچے گا بھی نہیں۔

۳۔ ان دونوں حصاروں کی موجودگی کے باوجود بھی اگر دشمن عملاً کوئی جنگ چھیڑ دیتا ہے تو اس جنگ کا دائرہ ایک مخصوص علاقے تک محدود رکھتے ہوئے، محدود پیمانے ہی پر جنگ (limited war) لڑی جائے گی۔ اس عملی جنگ کے مقابلے کے لیے اور اسے محدود رکھنے کے لیے ایک تیسرا حصار ہوتا ہے، جو بنیادی طور پر ایک عسکری حصار ہے۔ اس کا دائرہ دشمن کا ملک یا ملک کا کوئی حصہ ہوتا ہے۔ یہ جنگ 'چال بازی کے طریقہ' جنگ' سے لڑی جاتی ہے جس میں تین اہم عناصر کا استعمال ہوشیاری سے کیا جاتا ہے: مادی قوت، نفسیاتی قوت اور وقت۔ اگر بالاتر مادی قوت تیسرے ہو تو نفسیاتی حربوں کی خاص ضرورت باقی نہیں رہتی اور دشمن کو کم سے کم وقت میں مادی قوت سے ہی شکست دی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر مادی قوت کم ہو تو مادی اور نفسیاتی قوتوں کو برابر استعمال کرتے ہوئے دشمن کو شکست دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ داخلی چال بازی کے لیے بیوفری نے دو طریقے تجویز کیے ہیں:

• پہلا طریقہ Piecemeal maneuver کہلاتا ہے، یعنی 'جز در جز ہڑپ کرنے کی چال بازی'۔ اس میں 'چال بازی کے طریقہ' جنگ' کی تمام چالوں کو حسب ضرورت استعمال کر کے دشمن کو بتدریج شکست دی جاتی ہے۔ ٹکڑوں میں، بتدریج فتح حاصل کرنے پر بیوفری اس لیے زور دیتا ہے کہ جنگ کو اپنے قابو میں رکھا جاسکے اور وہ مخصوص جغرافیائی علاقے سے نکل کر کہیں بین الاقوامی جنگ نہ بن جائے۔

• قوت کم ہونے کی صورت میں وہ کہتا ہے کہ ماؤ زے ٹنگ کے گوریلا جنگ کے نظریے کو اپنانا چاہیے۔ یعنی دشمن کے خلاف خود اسی کی سرزمین سے ایک ایسی مقامی گوریلا قوت کو کھڑا کیا جائے جو جنگ میں ہماری ہمنوا ہو۔ یوں دشمن کے گرد اس مقامی قوت کے ذریعے گھیرا ڈالا جائے اور ساتھ ساتھ ہر سطح پر نفسیاتی حربوں کا استعمال جاری رہے۔

تین حصار

بیوفری کے نظریے پر عمل کرتے ہوئے دشمن کے گرد تین حصار بن جاتے ہیں اور اس کے آزادانہ کام کرنے کی صلاحیت اتنی محدود ہو جاتی ہیں کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بیوفری کے نزدیک اصل جنگ بیرونی دو حصاروں میں لڑی جاتی ہے، جبکہ تیسرے دائرے کو صرف بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت ہی استعمال کیا جانا چاہیے۔

بیوفری کے مطابق اگر مغربی قوتیں درج ذیل تین عوامل کو قائم رکھیں تو بالواسطہ حکمت عملی کا توڑ کرنا ناممکن بات ہے:

- پہلا یہ کہ مغربی تہذیب کی فوقیت اور برتری کا اتنا پرچار کیا جائے کہ تمام دنیا والے یہ یقین کر لیں کہ مغربی نظام کے بغیر یہ دنیا چل ہی نہیں سکتی۔ پھر فوقیت اور برتری کے اس تاثر کو اگلی نسلوں میں منتقل کرنے کا بھی خاص اہتمام کیا جائے۔
- دوسرا یہ کہ دشمن کی طرف سے آنے والے تمام ممکنہ خطرات کو بتدریج نشانہ بنا کر ختم کیا جائے۔
- تیسرا یہ کہ بیرونی رعب قائم رکھنے والی قوت کو مل جل کر انتہائی مضبوط بنایا جائے۔ یعنی امریکی افواج کے ساتھ نیٹو اور اقوام متحدہ کی افواج بھی مل کر کام کریں، اور ان کے علاوہ بھی ایک مشترکہ عالمی تنظیم بنائی جائے۔

اس طرح اس حکمت عملی کو شکست دینا بیوفری کے نزدیک ناممکنات میں سے ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس حکمت عملی کے ذریعے تمام دنیا پر اور بالخصوص مسلمانوں پر جن کی مثال وہ جگہ جگہ دیتا ہے۔ اس قدر رعب طاری ہو جائے گا کہ کوئی

قابل ذکر قوت مغرب کے مقابلے میں سر نہیں اٹھا سکے گی، نہ ہی اس بارے میں سوچنے کی جرات کرے گی۔

خلاصہ کلام

جدید عسکریت کے ان نظریات کا مطالعہ کرنے سے ہمیں اپنے دشمن کی بنیادی حکمت عملی سمجھنے اور اس کے مقابلے کے لیے حکمت عملی ترتیب دینے میں مدد ملتی ہے۔ مغرب نے اپنے سابقہ تجربہ سے سیکھتے ہوئے دنیا پر اپنی گرفت قائم رکھنے کے لیے ایک ایسا طریقہ جنگ تشکیل دیا ہے جس میں دشمن سے براہ راست جنگ کی نوبت کم ہی پیش آتی ہے۔ اور اصل انحصار ان عسکری و نفسیاتی غارتگری حصاروں پر ہوتا ہے جن کے سبب بیشتر لوگ مغرب سے ٹکرانے کا تصور ہی ذہن سے نکال دیتے ہیں۔ یورپ و امریکا کی ظاہری برتری، عالم اسباب میں، انہی حصاروں پر قائم ہے۔ الحمد للہ گیارہ قہر سمیت امریکہ و یورپ کے خلاف مجاہدین کی تمام عالمی ضربوں نے امت کو دشمن کا معنوی و نفسیاتی حصار توڑ کر اسے لاکارنے کا حوصلہ دیا ہے۔ پھر عراق، افغانستان، یمن، الجزائر اور صومالیہ کے جہاد نے مغرب کی "محدود جنگ" (Limited War) کے نظریے پر کاری دار کیا ہے اور اسے مختلف محاذوں پر ایک طویل اور مشکل جنگ میں پھنسا دیا ہے؛ اور یہ یمن وہی چیز ہے جس سے مغرب بچنا چاہتا تھا۔ پس اب اللہ پر توکل کرتے ہوئے، اس جنگ کو عسکری و دعوتی دونوں محاذوں پر جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ:

- مغرب کے خارجی - سمندری حصار کو نشانہ بنانے کی ترکیبیں سوچی جائیں تاکہ خشکی کے بعد سمندر پر بھی اس کی ظاہری عسکری برتری دم ناز جائے، اور
- مغرب کی معاشی بالادستی سے نجات پانے والی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی غلامی سے نکلنے اور سود سے پاک اور سرمایہ دارانہ نظام سے بالکل جدا، شرعی اقتصادی نظام وضع کرنے کے لیے عملی اقدامات اٹھائے جائیں۔

تاکہ دنیا بھر سے مغرب کی عسکری، معاشی، سیاسی و نفسیاتی گرفت ٹوٹ جائے اور جس شکست کو مغربی مفکرین ناممکن سمجھتے تھے، وہ ایک زندہ حقیقت بن کر ان کی نگاہوں کے سامنے آجائے۔ یقیناً اللہ کے لیے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ میں

حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا کا کردار

محمد مثنیٰ حسان

اس شمارے میں ہم اپنے قارئین کے سامنے حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا کا تذکرہ پیش کر رہے ہیں جنہوں نے قرن اول کی دیگر خواتین اسلام کی طرح دفاع دین و امت کی خاطر اپنے آپ کو پیش کیا اور فریضہ جہاد کی ادائیگی میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ہمارے اس مضمون کی غایت آپ کی مکمل سیرت بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ یہاں ہم صرف وہ واقعات ذکر کریں گے جن کا تعلق جہاد فی سبیل اللہ میں آپ کے کردار سے ہے۔ (صاحب تحریر)

تعارف

حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی چھوٹی، سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ اور حواری رسول حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ آپ نے عہد فاروقی میں سن ۲۰ ہجری میں ولادت پائی اور اس وقت آپ کی عمر تہتر سال تھی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپ کے دوسرے بیٹے حضرت سائب بن عوام رضی اللہ عنہ تھے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احد و خندق سمیت تمام جنگوں میں شریک رہے اور عہد صدیقی، سن ۱۲ھ میں یمامہ کے دن شہید ہوئے۔

غزوہ احد میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا کردار

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا جہاد پر تحریریں دینا اور بھاگنے والوں کو ملامت کرنا: روایات میں آتا ہے کہ جب غزوہ احد کے دن مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ دشمن کے سامنے ہٹے پسا ہونے لگے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا میدان جنگ میں آگے بڑھیں اور آپ کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ آگے بڑھتے ہوئے آپ پسا ہونے والے مسلمانوں کے چروں پر خنجر مارتیں اور انھیں غیرت دلانے کے لیے کہتی جاتیں کہ: "انھزمتم عن رسول اللہ"۔

"(شرم کرو کہ) تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ بھاگ کھڑے ہوئے ہو۔" غور کیجیے کہ ایسے نازک لمحات میں جب مسلمان مردوں کے پاؤں تک اکھڑ گئے تھے، یہ خاتون اسلام ثابت قدم رہیں اور مسلمانوں کو غیرت دلاتی رہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے دفاع کے لیے ڈٹ جاؤ اور پیٹھ پھیر کر مت بھاگو۔ آج بھی امت کو ایسی ماؤں بہنوں کی ضرورت ہے جو مسلمانوں کو کفار کے مقابلے کے لیے ابھاریں، انھیں جہاد پر تحریریں دیں اور پیٹھ پھیرنے یا ہٹنے سے باز رکھیں۔

احد کے روز اپنے بھائی کی شہادت پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا صبر کرنا:

پھر جب احد کا معرکہ ختم ہوا اور مسلمانوں نے اپنے شہداء کو جمع کیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا لاشہ اس حال میں ملا کہ ان کا بری طرح شکلہ کیا گیا تھا اور پیٹ چیر کر یکجہ تک نکال لیا گیا تھا۔ یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شدید غمگین ہوئے۔ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کو دیکھنے کے لیے بڑھتی چلی آرہی ہیں تو آپ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو کہا:

"اپنی والدہ کو سنبھالو (اور انھیں یہاں نہ آنے دو)۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ تھا کہ کہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کو اس حال میں دیکھ کر پریشان نہ ہو جائیں۔ جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کو روکنے کی کوشش کی تو آپ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں:

"ولم، فقد بلغنی انه مقل باخی، وذاك فی اللہ، فما أرضانا بما کان من ذلك، لأصبرن ولاحتسبن إن شاء اللہ۔"

"(مجھے) کیوں (روک رہے ہو)، مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کا شکلہ کیا گیا ہے اور یہ تو اللہ کی راہ میں ہے اور اس میں ہماری مرضی کو کوئی دخل نہیں۔ میں ان شاء اللہ ضرور صبر کروں گی اور اللہ سے اجر کی امید رکھوں گی۔"

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آنے دیا۔ آپ تشریف لائیں، اپنے بھائی کو دیکھا، ان کے حق میں دعائے مغفرت فرمائی اور کامل صبر سے کام لیا۔

غزوہ احزاب میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا کردار

شوال ۵ھ میں جب مشرکین مکہ دیگر قبائل عرب کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے مرکز مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو یہ مسلمانوں کے لیے انتہائی نازک مرحلہ تھا۔ مسلمان مدینہ کی تین جانبوں سے مشرکین کے گھیرے میں تھے، مزید یہ کہ مدینہ کے اندر یہودی بنی قریظہ نے بھی عہد شکنی کر دی تھی۔ ایسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو گھروں سے نکلنے کا حکم دے رکھا تھا اور مسلمانوں کی خواتین کو مدینے کے عقب میں واقع "فارغ" نامی قلعے میں بھیج دیا تھا۔ اس قلعے کی ذمہ داری حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس تھی اور وہ اس قلعے میں واحد مرد تھے۔

یہودی بنی قریظہ کی عہد شکنی کی وجہ سے فارغ کا قلعہ غیر محفوظ ہو گیا تھا، کیونکہ یہ قلعہ بنی قریظہ کی بستی کے قریب اور مسلمانوں کے لشکر کی پشت پر، کچھ فاصلے پر واقع تھا۔ قلعے پر یہودی حملے کی صورت میں مسلمان بیرونی دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے اس جانب متوجہ نہ ہو سکتے تھے۔ اس صورتحال سے فائدہ اٹھانے کے لیے یہود کا ایک گروہ اس قلعے کی جاسوسی کے لیے آیا تاکہ معلوم

کر سکے کہ یہاں مسلمان خواتین تنہا ہیں یا ان کی حفاظت کے لیے کچھ مرد حضرات بھی موجود ہیں۔ یہودیوں کو خدشہ تھا کہ اگر اس قلعے میں مرد موجود ہوئے تو اس صورت میں حملہ نقصان دہ ثابت ہوگا۔ چنانچہ جاسوسی کرنے والا ایک یہودی جب اس قلعے کے قریب آیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا کہ:

”یا حسان! إن هذا اليهودي كما ترى يطيف بالحصن، وإني والله ما آمنه أن يدل على عورتنا من وراءنا من يهود، وقد شغل رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه فأنزل إليه فاقفله“۔

”اے حسان! یہ یہودی ہمارے قلعے کے گرد چکر لگا رہا ہے، اور مجھے ڈر ہے کہ یہ ہماری بابت دوسرے یہودیوں کو بتا دے گا (کہ ہم خواتین یہاں تنہا ہیں) جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مصروف ہیں۔ لہذا اجاؤ اور اس یہودی کو قتل کر دو“۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

”لو كان ذلك في لكنت مع رسول الله“۔

”اگر مجھ میں یہ صلاحیت ہوتی تو میں اس وقت (یہاں نہ ہوتا بلکہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (جنگ میں شریک) ہوتا“۔

یہ سن کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا خود انھیں، قلعے کے دروازے پر آئیں اور لکڑی کا ستون اس زور سے یہودی کو مارا کہ وہ مر گیا۔ پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ:

”قم فاطرح رأسه على اليهود“۔

”اٹھو اور اس یہودی کا سر (قلم کر کے) دوسرے یہویوں کی جانب پھینک دو (تاکہ انھیں یہ تاثر ملے کہ اس قلعے میں خواتین اکیلی نہیں ہیں بلکہ ان کی حفاظت کے لیے مرد بھی موجود ہیں)“۔

اس کے جواب میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

”والله ما ذاك“۔

”واللہ! میں ایسا نہیں کر سکتا“۔

لہذا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ دوبارہ گئیں، اس یہودی کا سر قلم کیا اور پھر قلعے کے اوپر سے اس کے ساتھیوں کی جانب پھینک دیا جو قلعے کے نیچے موجود تھے۔ جب یہودیوں نے اپنے ساتھی کا سر دیکھا تو وہ کہنے لگے:

”قد علمنا أن هذا لم يكن ليعترك أهله خلوقا ليس معهم أحد“۔

”ہمیں پتہ تھا کہ یہ لوگ ایسے نہیں کہ اپنی خواتین کو مردوں کے بغیر تنہا چھوڑ دیں“۔

یوں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اس کارنامے کے سبب مسلمان ایک بہت بڑی مصیبت سے بچ گئے اور یہودی بنی قریظہ کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ مسلمان خواتین پر حملہ کریں۔

یہ واقعہ تاریخ اسلام کے سنہری واقعات میں سے ایک ہے، جس میں صرف ایک خاتون کی دولت امت بہت بڑے نقصان سے بچ گئی۔ یقیناً اس واقعے میں تمام مسلمانوں، خصوصاً خواتین کے لیے نصیحت ہے کہ جب دین و امت کو ان کی ضرورت ہو تو وہ جرأت و بہادری کا مظاہرہ کریں اور اپنا سب کچھ کھپانے پر تیار ہوں۔ اگر قرن اول کی خواتین ایسا کر سکتی ہیں تو آج کی مسلمان خواتین کیوں نہیں کر سکتیں، جبکہ آج بھی دین و امت کو ان کی ضرورت ہے اور کفار عالم چار جانب سے حملہ آور ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام مسلمان مرد و خواتین کو دینی حمیت اور جرأت و بہادری عطا فرمائے، آمین!

مراجع و مصادر:

۱. الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر العسقلاني رحمه الله: الجزء ۷۔
۲. الطبقات الكبرى لابن سعد رحمه الله: الجزء ۸۔
۳. الإستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر رحمه الله: الجزء ۱، والجزء ۲۔
۴. البداية والنهاية لابن كثير رحمه الله: الجزء ۴۔

سیرت شیخ سعید رحمہ اللہ..... ایک رفیق جہاد کے مشاہدات

شیخ عطیۃ اللہ حفظہ اللہ / مرفعہ: محمد منشی صاحب

تخلیم القاعدہ بلادِ افغانستان کے مسئول عام شیخ سعید (مصطفیٰ ابو زید) رحمہ اللہ کی شہادت کے موقع پر آپ کے نائب، مجاہد عالم دین، شیخ عطیۃ اللہ (حفظہ اللہ) کی ایمان افروز تحریر جو آپ کی سیرت کے چند نمایاں گوشوں پر روشنی ڈالتی ہے۔ (مدیر)

ایسے صالحین کی زندگیوں کو ضابطہ تحریر میں لانا جو امت مسلمہ کے مردوں اور عورتوں کے لیے نمونہ عمل ہوں اور ان کا تذکرہ امت کو اعمالِ صالحہ کی جانب ترغیب و لاتا ہو، یقیناً جہاد فی سبیل اللہ کا حصہ ہے۔ جہاد باللسان و جہاد بالقلم اسی کا نام ہے کیونکہ یہ امت میں خیر و صلاح کے فروغ، فتنہ "دعوت الی اللہ" کی انجام دہی اور رب تعالیٰ کے حکم کی سر بلندی کا باعث بنتا ہے۔

اسی لیے جب ادارہ مطہین کے بھائیوں نے اجر و ثواب کی نیت لیے، مجھے شیخ مصطفیٰ ابو زید رحمہ اللہ کی سیرت پر کچھ لکھنے کی دعوت دی تو میں نے بلا تاہل اس دعوت کو قبول کر لیا تاکہ میں بھی ان کے ساتھ اجر و ثواب میں شریک ہو سکوں۔ میں اس کام کی انجام دہی میں رب تعالیٰ سے ہی مدد و طلب کرتا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔

معاصر صالحین کی سیرتوں کو ضابطہ تحریر میں لانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ان کے مطالعے سے ہمیں انبیاء علیہم السلام و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک اسوے سے قریب ہونے کی عملی راہیں دکھائی دیتی ہیں اور ہمارے دلوں میں بھی یہ امید جڑ پکڑتی ہے کہ آج بھی ان اعلیٰ ہستیوں کی اتباع ایک ممکن امر ہے۔ اپنی زندگی کو سلف صالحین کے مبارک سانچوں میں ڈھالنے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ یہ ہوتی ہے کہ بس یہ بات ذہن میں جمائی جائے کہ وہ لوگ ہم سے بہت پہلے گزر گئے، ان کا کردار بھی جدا تھا (اور ان کا زمانہ

میں اس زمانے سے الگ تھلک)، ان کے دور میں برکت تھی، انھیں رب تعالیٰ کی جانب سے خصوصی احباب میسر تھے، اور ان کے کردار و سیرت کی رفعت و بلندی کا سبب خود آنحضرت ﷺ کی ان میں موجودگی تھی اور (بعد کے تابعین و تبع تابعین کو بھی) ان سے زمانی قربت میسر تھی۔ اگرچہ یہ سب عوامل فی نفسہ درست ہیں، لیکن اگر کسی کے ذہن میں بس یہی باتیں رائج ہوں اور وہ سلف کی نیکی کاری و تقویٰ کا واحد سبب فقط انہی امور کو سمجھ لے تو یہ سوچا پست ہمہتی کا باعث بنتی ہے۔ قرب الہی اختیار کرنے کے لیے سلف نے عملاً جو مجاہدات کیں، خود کو سنت میں ڈھالنے کے لیے جو مشقت اٹھائی اس سے صرف نظر کرنا آج کے انسان کو ان مثالی نمونوں کی اقتداء و پیروی سے روک دیتا ہے اور یہ تصور بنتے کر دیتا ہے کہ عصر حاضر میں سلف سے مشابہ پاکیزہ سیرتیں وجود میں آنا ناممکن ہے۔ اس کے برعکس معاصرین کے اسوے تو زندہ و جاوید تصویریں ہوتی ہیں جنھیں مذکورہ بالا پر دوں میں چھپایا نہیں جاسکتا اور ان کی سیرتوں کا تذکرہ عمل پر ابھارنے کا باعث بنتا ہے۔ تاہم یہ حقیقت بھی خاطر نشیں رہے کہ سیرت رسول اکرم ﷺ اور سیر صحابہؓ ہر دور کے انسانوں کے لیے بطور نمونہ کافی و کافی ہیں، اور اصلاً تو ان کے بعد کسی اور نمونے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ (صاحب تحریر)

شیخ سعید رحمہ اللہ کی نصف زندگی ہجرت و جہاد کی راہوں میں بسر ہوئی، جس میں انھوں نے مجاہدین امت کے سفر جہاد کو مختلف نشیب و فراز سے گزرتے دیکھا۔ شیخ سعید رحمہ اللہ نے چھوٹی عمر میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ آپ غفوانِ شباب ہی سے بہت رقیق القلب واقع ہوئے تھے، دل ہر لمحہ مسجد میں اٹکا رہتا اور آپ شریعت کی حاکمیت دیکھنے کے لیے بے قرار اور احيائے خلافت کے لیے بے چین رہتے۔ اسی تڑپ نے آپ کو راہِ جہاد اختیار کرنے پر مجبور کیا اور جلد ہی آپ کی زندگی میں وہ موڑ بھی آگیا جب جماعۃ الجہاد مصر کا رکن ہونے کے سبب آپ کو انور سادات کے قتل میں شرکت کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ کچھ ہی عرصے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے آپ کو رہائی عطا فرمائی اور آپ مصر کے ان دیگر گوں حالات کو دیکھتے ہوئے وطن چھوڑ کر نکل آئے، حجاز پہنچ کر حج و عمرہ کے فرائض سر انجام دیے اور اپنے اگلے سفر کے انتظام و انصرام کی غرض سے وہیں کچھ عرصہ انتظار میں گزارا۔ اس کے بعد آپ تبلیغی جماعت کے ہمراہ بنگلہ دیش پہنچے، جہاں سے آگے آپ نے اپنی منزل افغانستان کا رخ کیا اور ۱۹۸۶ء میں سر زمین افغانستان میں قدم رکھا۔ یوں آپ اپنے سفر کی مختلف گھنائیاں طے کرتے کرتے بلا تار اپنی منزل کو جا پہنچے۔ آپ اپنی داستان زندگی کے یہ لطیف واقعات اپنے آخری ایام تک ہمیں سناتے رہے اور آپ کو بھی یقین نہ آتا تھا کہ آپ کس طرح ان تمام حالات سے خیریت سے گزر آئے۔

پس یقیناً آپ کی سیرت میں بہت سے اسرار پوشیدہ ہیں، شاید آپ کی صفات و واقعات کا تذکرہ ہمیں ان اسرار میں سے بعض کا اور اک کرا سکے۔

آپ کے اخلاق میں سے پہلی چیز جو ہر ملنے والے کو متاثر کرتی تھی، وہ آپ کے دل کی نرمی تھی۔ جو آپ کے چہرے کی بشارت، خندہ پیشانی، شگفتگی کلام، کشادگی دلاں، ساحت، شرم و حیا، تواضع و انکساری، تمام مسلمانوں کے لیے محبت اور کمزوروں و مساکین کے لیے قربت جیسے مظاہر کی صورت میں واضح طور پر جھلکتی تھی۔ پس اسی صفت کی بدولت جو شخص بھی آپ سے پہلی مرتبہ متعارف ہوتا تو اسے آپ سے محبت و انس کا رشتہ قائم کرنے اور خود کو آپ کے دوستوں کی فہرست میں شامل کرنے کے لیے زیادہ محنت اور طویل مدت درکار نہ ہوتی۔ بلکہ وہ چند ہی لمحات میں یوں محسوس کرنے لگتا گویا وہ آپ کو مدت دراز سے جانتا و پہچانتا ہے۔

اجتماعی زندگی کے مشاغل، باہمی انس و ملاطفت اور دوستوں ساتھیوں سے میل ملاپ، آپ کو اپنے روزمرہ معمولات میں قیام اللیل، تلاوت قرآن، پابندی اذکار، نمازوں کے بعد درس و تذکیر کے ذریعے فریضہ دعوت کی ادائیگی وغیرہ سے دور نہ کر پاتا تھا۔ آپ کی شخصیت اللہ تعالیٰ کی جانب بلانے والے داعی کی شخصیت تھی اور یہ داعیانہ خود آپ کی طبیعت کی گہرائیوں میں پیوست نظر آتی تھی۔ آپ مرکز، مسجد یا ضیافت گاہ جہاں بھی ہوں، اپنے مجاہد بھائیوں کے ساتھ مطالعہ، کتاب کی محفل منعقد کرنا پسند فرماتے تھے اور اگر آپ خود ایسا نہ کر پاتے تو کسی اور بھائی کی ہمت بڑھاتے اور اسے آگے بڑھنے کی ترغیب دیتے۔ آپ فی الجملہ ایک ایسے داعی اور معلم تھے جو زندگی بھر تذکیر و یاد دہانی کے کام سے مشغول رہے۔ اسی شدید روحانی میلان کی وجہ سے آپ تبلیغی جماعت کو پسند فرماتے تھے اور ان کی غلطیوں اور ان پر کی جانے والی تنقید کو جانتے ہوئے بھی ان کے اخلاص، ان کی داعیانہ صفات اور ان کی پاکیزہ دینی مجالس کے سبب ان کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے۔ آپ نے ایک مرتبہ خود مجھ سے کہا کہ آپ تبلیغی جماعت کی ان خصوصیات کے سبب ان کو پسند کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جہاں دوس کے ایام میں آپ کبھی کبھار تبلیغی جماعت کے اجتماعات میں شرکت کے لیے افغانستان سے سفر کر کے پنجاب جاتے اور ان کی مجالس میں وقت گزارتے۔ درحقیقت تبلیغ کے کام کی سمت آپ کی یہ رغبت آپ کے دل میں موجزن اس داعیانہ تڑپ کا نتیجہ تھی جس کے سبب آپ نے یہ پختہ عزم کر رکھا تھا کہ آپ جہاد کے ساتھ بھی اس فریضے کو نبھاتے

ہیں گے۔ ہم تو بعض اوقات خلوت میں بیٹھے ہوئے (بطور مذاق) انھیں 'تبلیغی' کہہ کر پکارتے تھے، بلکہ بعض مراحل میں تو ہم نے خفیہ پیغام رسانی میں بھی آپ کے نام کی جگہ اس لقب کو استعمال کیا۔

جس کسی کو بھی شیخ سعید رحمہ اللہ کے ساتھ رہنے اور انھیں قریب سے جاننے کا موقع ملا تو اس نے ان میں دیگر کئی اخلاق اور فضائل بھی موجود پائے اور ان میں موجود خیر و بھلائی کے کتنے ہی اہل پہلو اس پر عیاں ہوئے۔ مذکورہ بالا اخلاق کے علاوہ ان میں موجود خصوصی صفات اور فضائل تھے: صفائے قلب، حسن ظن، تدبر، بردباری، تواضع، قوت صبر، فراخی نفس، شجاعت و بہادری، دلی ہمتی، یقین، اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور دینداری و تقویٰ۔

شیخ سعید رحمہ اللہ کبھی کسی مسلمان سے کینہ و حقد نہ رکھتے تھے۔ آپ کی آخری عمر میں جب افغانستان میں صلیبی جنگ کا آغاز ہوا اور آپ کے کندھوں پر مسئولیت کا بھاری بوجھ ڈالا گیا۔ آپ کو بعض مرتبہ جھڑپوں اور تلخیوں کا سامنا ہوا اور ایسے تنازعات میں الجھنا پڑا جنہیں آپ ناپسند کرتے تھے۔ آپ کا نفس ان سے ٹھک پڑتا اور آپ ٹھگتے ہوئے، مگر اس کے باوجود آپ نے کبھی کسی بھائی کے متعلق اپنے دل میں بغض و کینہ نہ رکھا۔ آپ کو لوگوں کی بدزبانی اور ناحق باتوں کی خبر پہنچتی تو آپ اللہ کے ذکر میں پناہ ڈھونڈتے اور اس پر غم و افسوس کا اظہار کرتے۔ پھر ٹھوڑی ہی دیر بعد اگر آپ کے سامنے اس گالی دینے والے شخص کا دوبارہ تذکرہ ہوتا تو آپ اس کی تعریف ہی بیان کرتے، اس کا ذکر خیر کرتے، اسے بھائی کہہ کر پکارتے، اس کے حق میں دعا کرتے، اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے اجر و ثواب طلب کرتے اور اس کے عاصم بیان کرتے، گویا کہ اس شخص نے کبھی آپ کو گالی دی ہی نہ ہو اور نہ ہی کوئی برائی بیان کی ہو۔ یہ دیکھ کر گمان ہونے لگتا تھا کہ شاید شیخ کو بھول ہوئی ہے اور اس شخص کا نام کسی دوسرے شخص سے خلط ملط ہوا ہے مگر ایسا نہ ہوتا تھا، بلکہ شیخ خود جان بوجھ کر ایسے امور کو بھلا دیتے تھے اور آپ کا حسن ظن، صفائے قلب، مسلمانوں کی قدر، مجاہدین فی سبیل اللہ کا احترام اور آپ کے دل میں موجود ایمان، ہجرت و جہاد کی تعظیم آپ کو ایسا کرنے پر مجبور کرتی تھی۔

ایک مرتبہ میدان جہاد میں موجود ایک بھائی نے آپ کو ایک انتہائی سخت خط لکھا جو سب و شتم اور بے جا تہمتوں پر مشتمل تھا تو آپ نے اپنے حلم اور وسعت نفس کے برعکس غضب

ناک ہو گئے، یہاں تک کہ آپ نے شیخ ابویحییٰ حفظہ اللہ سے بات کی کہ آپ اس بھائی کے ساتھ ہونے والے معاملے کو محکمہ شرعیہ (شرعی عدالت) کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ مگر کچھ ہی دن بعد جب آپ کے سامنے اس بھائی کا دوبارہ تذکرہ ہوا تو آپ اس کی تعریف کرنے لگے اور کہنے لگے کہ وہ بہت ہی اچھا بھائی ہے، اور آپ نے اس کی غلطی سے درگزر کر دیا۔

میں نے جب کبھی شیخ سے ان تنازعات کے بارے میں پوچھا جو آپ کے اور کچھ دیگر بھائیوں کے درمیان ہوئے تھے تو آپ ان کی بابت اعتدال سے بات کرتے تھے؛ اور ان تنازعات کی تفصیل کو جہاں تک ممکن ہوتا، ان بھائیوں کی تعریف، ان سے درگزر اور ان کے بارے میں نرمی و شفقت کے جذبات پر ختم کرتے تھے۔

پھر جہاں تک معاملات میں غور و فکر، تدبیر اور ٹھہراؤ کی بات ہے تو یہ صفات آپ کی فطرت میں شامل تھیں، آپ کے افعال میں اس کی جھلک نظر آتی تھی اور آپ کی سیرت اس کا عکس تھی۔ یہ صفات آپ کی طبیعت کا ایسا جزو بن چکی تھیں کہ جلد باز شخص آپ کے ساتھ صبر نہ کر پاتا اور زیادہ تیز طبع فرد آپ کی صحبت میں بے چین ہو جاتا۔ مگر درحقیقت یہ آپ کی محمود اور قابل مدح صفات تھیں، کیونکہ اطلاق و فضائل سمیت تمام اعمال میں اصل اعتبار خاتمہ کا ہے۔ اور بالعموم آپ کے غور و فکر اور ٹھہراؤ کا انجام اچھا ہی نکلتا تھا؛ اور ہر اچھائی کی توفیق اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ بلاشبہ ہمارے گمان کے مطابق شیخ سعید رحمہ اللہ انہی خوش بخت اہل توفیق میں سے تھے اور اللہ نیکو کاروں ہی کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ چنانچہ میں صاف دیکھتا تھا کہ آپ کے تحمل و بردباری اور کام میں وقتی تاخیر کے باوجود بالآخر آپ کے کام اس قدر تھوڑے وقت میں پایہ تکمیل کو پہنچ جاتے کہ مجھے تعجب ہونے لگتا۔

اوپر جو کچھ بیان ہوا، اس سے آپ کی بردباری بھی جھلکتی ہے۔ اور جہاں تک صفت صبر کا تعلق ہے تو یقیناً آپ 'صابرین' میں سے تھے، ہم آپ کے بارے میں ایسا ہی گمان رکھتے ہیں۔ آپ کی شخصیت میں صبر کے مختلف پہلوؤں کا عکس نظر آتا تھا۔ طاعت الہی پر قائم رہنے میں صبر اور رب کی معصیت سے بچے رہنے پر صبر۔ پس آپ ہجرت و جہاد کی راہوں کی تمام مشکلات پر صابر و شاکر رہے اور انتقامت کو لازم پکڑا۔ آپ تکالیف پر صبر کرتے تھے، تھوڑے پر بھی گزرا کرتے تھے،

مسلمانوں اور مجاہدین کے دیگر گروہوں حالات کی درنگی کے لیے سرگرم عمل رہتے تھے۔ صبر تو آپ کی شخصیت کا حقیقی شعار تھا اور آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل پیرا رہتے تھے، کہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ (البقرة: ۱۵۱)

”اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرو۔“

آپ اکثر اس آیت کو پڑھتے تھے اور اپنی نصیحتوں میں اس آیت کو شامل رکھتے تھے۔ آپ مشکلات میں نماز کی طرف رجوع کرتے اور تہجد کی شدت سے پابندی کرتے تھے۔ آپ نفل روزے بھی رکھتے تھے۔ میں نے آپ کو مسلسل روزے رکھتے تو نہیں دیکھا، البتہ آپ کثرت سے علیحدہ علیحدہ روزے رکھا کرتے تھے۔

آپ کی شخصیت میں صفت صبر کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ آپ صبر کرنے والوں کو پسند کرتے تھے اور انسان کی اچھائی مانپنے کے لیے اس کے صبر کو معیار جانتے تھے۔ آپ جب کبھی کسی انسان کی تعریف کرتے تو اس کی تعریف کے پیچھے لازماً اس شخص میں پائے جانے والی صبر اور دینداری و عبادت گزاری کی صفات ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ بھائی ابو اسلام مصری کی شہادت کے بعد جو اپنے صبر، حلم اور نرمی کی وجہ سے معروف تھے۔ میں نے ان کی سیرت کا تذکرہ آپ کے سامنے کیا، اور میں آپ سے کہنے لگا: میرا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ابو اسلام سے کہیں گے کہ ”ہم نے تجھے صابر پایا“، تو یہ سن کر آپ بہت متاثر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کا بندھن بھی ایک صابرہ خاتون سے باندھا تھا، جنہوں نے راہ خدا میں صبر کرنے میں آپ کی بھرپور اعانت کی۔ اور آپ کی ایک بیٹی معذور بھی تھی جو جہاد اول کے بعد سوڈان میں پیدا ہوئی تھی۔ اسے بچپن ہی سے خون کی بیماری تھی جو بعد میں بڑھتی گئی، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے وہ معذور ہو گئی۔ دس سال کی عمر میں بھی وہ ایسی تھی جیسے چند ماہ کی بچی ہو؛ نہ وہ پیٹھ سکتی تھی، نہ کھڑی ہو سکتی، نہ چل اور نہ بول سکتی تھی۔ فقط وہ اپنے ماں باپ کی جانب مسکرا کر دیکھتی تھی اور وہ دونوں اس کی خدمت کرتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت و برکت کی امید رکھتے تھے۔ دونوں میاں بیوی ایک دن کے لیے بھی اس سے اکتائے نہیں۔ آپ کی اہلیہ صبر کے ساتھ اپنی بیٹی سے راضی رہیں، یہاں تک کہ وہ اسی بیماری کی وجہ سے چند ماہ کے فرق سے اسی سال فوت ہو گئی جس

سال والدین اور اس کی دوسری بہنیں بھی شہادت سے سرفراز ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب رحم فرمائے، آمین!

ان صفات کے علاوہ جہاں تک شجاعت و بہادری کا تعلق ہے تو میں نے کئی مواقع پر ان کے دل کی بہادری کا مشاہدہ کیا ہے جو مشکل ترین حالات میں استقلال، بلا خطر حق بات کہہ ڈالنے اور اس پر عمل کر گزرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی تھی۔ اور جہاں تک آپ کے تواضع، غریبوں محتاجوں سے محبت اور ان کا احترام کرنے کی بات ہے تو یہ خوبیاں تو آپ کی پہچان تھیں۔ اسی وجہ سے آپ کی انصار اور عوام کے ساتھ والہانہ محبت معروف تھی اور ان سے آپ کا قرب کیا ہی خوب تھا۔

اسی طرح سخاوت نفسی اور عالی ہمتی بھی آپ کی شخصیت کا خاصہ تھا۔ آپ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مصروف ہوں، عبادات و مجاہدے میں مشغول ہوں یا آپ کی عزت نفس و خودداری کا معاملہ ہو، ہر جگہ آپ عالی ترین شے پسند کرتے تھے اور نگاہ بلند اور مقاصد رفیع رکھتے تھے۔ اسی طرح علوم و معارف کا معاملہ ہو یا اعمال صالحہ کی بات ہو، ہر میدان میں آپ اپنی انتہائی کوشش صرف کرتے تھے۔ آپ عبادات کے اہتمام، راتوں کے قیام، تلاوت قرآن اور رمضان کی برکات سمیٹنے کا خصوصی خیال رکھتے تھے۔ بعض اوقات ہم کسی کام میں مصروف ہوتے یا سفر میں ہوتے اور اس وجہ سے ہماری رات کا اکثر حصہ بیداری میں گزر جاتا، تب بھی اگر اذان فجر کا وقت مثلاً ۵ بجے ہو تا تو آپ تمام تر تھکاوٹ اور کم خوابی کے باوجود سبجے کا الارم لگاتے تاکہ اٹھ کر تہجد کی نماز ادا کریں اور رات کے آخری پہر میں وتر ادا کریں۔ ہم نے آپ کو ہمیشہ ایسا ہی دیکھا کہ آپ اعمال صالحہ کی انجام دہی اور بھلائی کے حصول کے لیے اپنی جان کو گھلا دینے والے تھے۔

نیز آپ کی ایک نہایت ہی محمود صفت یہ تھی کہ آپ مسلمانوں کے مابین اتحاد کے شدت سے تریں تھے اور ان کے درمیان تفرقہ و تنازع آپ پر سخت گراں گزرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے افغانستان، پاکستان اور دیگر علاقوں میں مجاہدین کی معفوں کو ایک کرنے اور انھیں ایک پرچم تلے جمع کرنے کے لیے اپنی انتہائی کوششیں صرف کیں اور اس کے لیے حالات کی سنگینی اور اپنی بیماری وغیرہ کی کچھ پروا نہ کی۔ یقیناً یہ آپ کا قابل ذکر کارنامہ تھا۔

وإذا كانت النفوس كبارا
تعبت في مرادها الأجسام

پس کہاں ہیں وہ نوجوانان اسلام جو اس مرد حق کی اتباع کریں اور اس اتباع میں ایک دوسرے سے مسابقت کریں؟

شیخ سعید ایک دیندار اور متقی انسان تھے۔ نحسبہ كذلك، واللہ حسبہ۔ آپ کامل یقین اور اللہ پر مکمل بھروسہ کرنے والے تھے، اپنے مال اور کھانے پینے وغیرہ میں ذہد کا خاص خیال رکھتے تھے، اپنے کلام میں بہت محتاط تھے اور زبان کو آفتوں سے بچاتے رکھتے تھے، غیبت کو ناپسند کرتے اور اس سے کوسوں دور رہتے تھے، ذکر و قرآن میں ہر دم مشغول رہتے اور جہادی مشاغل و انتظامی مصروفیات کے باوجود ہر حال میں عبادت سے حظ دافر اٹھاتے تھے۔ آپ دیگر بھائیوں کو بھی اسی بات کی تلقین کرتے تھے اور اس بات سے خوف دلاتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ انسان پر روزمرہ کے کام اس قدر حاوی ہو جائیں کہ وہ ذکر و تلاوت قرآن اور دیگر عبادات سے غافل ہو جائے۔ اسی طرح آپ نماز کا شدت سے اہتمام کرتے اور اس عبادت کی تعظیم کرتے تھے۔

اسی طرح میں نے ایک عجیب بات آپ میں یہ دیکھی کہ آپ بعض اوقات کچھ ایسے کام طے کر لیتے تھے جن سے میں متفق نہ ہوتا تھا، بلکہ بعض مرتبہ تو میری رائے آپ کی رائے کے بالکل خلاف ہوتی تھی اور میں آپ سے بحث بھی کرتا تھا؛ اور پھر کبھی میں یہ گمان کرتے ہوئے آپ کی رائے کے سامنے خاموش ہو جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی موافقت فرمائیں گے۔ اور گچی بات یہ ہے کہ اکثر اوقات میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی موافقت فرمائی اور وہ کام میری سوچ اور استطاعت سے بڑھ کر درست ہوا، اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت سایہ قلن ہوئی، تمام خامیاں پر ہو گئیں اور کام احسن طریقے سے مکمل ہو گئے۔ اس موقع پر میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد قاضی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قصہ ذکر کروں گا جو خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے محدث، فقیہ و قاضی حفص بن غیاث رحمہ اللہ کے تذکرے میں لکھا ہے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ جب حفص بن غیاث کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے تو امام ابو یوسفؒ نے اپنے اصحاب سے کہا کہ اب دفتر (یعنی کتاب) کھولو اور اس میں حفص کے نادر فیصلے لکھو۔ مگر جب آپ کے اصحاب نے حفص بن غیاث کے فیصلے دیکھے تو انھیں وہ فیصلے پسند نہ آئے اور وہ کہنے لگے کہ اے ابو یوسف! وہ نادر فیصلے کہاں ہیں جنھیں لکھنے کا آپ کہہ رہے ہیں۔ جواب میں ابو یوسفؒ نے کہا: ان کے راتوں کو نماز

شیخ مصطفیٰ ابویزید رحمہ اللہ من المؤمنین رجال صدقوا

میں کھڑے رہنے نے ان کے یہ فیصلے درست کر دیئے! یعنی امام ابو یوسفؒ کی مراد یہ تھی کہ اس قیام اللیل کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حقص کے فیصلوں کی موافقت فرمائی۔ (تاریخ بغداد)
آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ شیخ مصطفیٰ ابویزید پر رحم فرمائیں، اور انھیں شہداء و صالحین میں شامل فرمائیں، آمین!

حدود اللہ کی عظمت توحب انور بھی پہچانتے ہیں

قاسمی عبد الہادی

حافظ ابن عساکر اپنی کتاب ”تاریخ دمشق“ میں ایک انوکھا اور سبق آموز واقعہ نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابو عبد اللہ عمرو بن میمون الأودی رحمہ اللہ کا شمار اکابر تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے زہد و تقویٰ کے سبب معروف تھے۔ آپ کی وفات سن ۴۷ ہجری میں ہوئی۔ ایک دن کوفہ کی ایک مسجد میں لوگ آپ کے گرد اکٹھے تھے۔ مجلس میں موجود ایک شخص نے پوچھا کہ کہ دور جاہلیت میں آپ کے ساتھ سب سے عجیب واقعہ کیا پیش آیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”دور جاہلیت میں میرے ساتھ سب سے عجیب معاملہ یہ پیش آیا کہ میں نے انسانوں کے سوا بھی کسی مخلوق کو رجم (سنگساری) کی سزا پر عمل کرتے دیکھا۔ معاملہ یوں ہوا کہ میرے گھروالوں نے مجھے کھجوروں کے باغ کی حفاظت پر مامور کر رکھا تھا تاکہ میں بندروں کو باغ خراب نہ کرنے دوں۔ ایک دن میں باغ میں ہی تھا کہ اچانک کچھ بندر نمودار ہوئے؛ کچھ درختوں پر چڑھ گئے اور کچھ آرام کرنے کے لیے باغ ہی میں ادھر ادھر بکھر گئے۔ اتنے میں ایک بندر اور بندر یا آئے اور آرام کرنے کے لیے اکٹھے لیٹ گئے، بندر یا نے بندر کے سر کے نیچے ہاتھ رکھا اور وہ اس پر سر رکھ کر گہری نیند سو گیا۔ اسے سوتا دیکھ کر، ایک اور بندر اس بندر یا کے قریب آیا اور اسے چٹکی کاٹی۔ بندر یا نے نہایت آہستگی سے پہلے بندر کے سر کے نیچے سے ہاتھ نکالا اور دوسرے بندر کے ساتھ چل پڑی۔ دونوں نے کچھ دور جا کر باہم مجامعت کی۔

حدود اللہ کی عظمت و تحسین اور بھی پہچانتے ہیں۔ شہادت من الذهب

میں یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر بندریا واپس پہلے بندر کے پاس لوٹی اور دوبارہ آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے سر کے نیچے گھسانا چاہا، لیکن اس کی آنکھ کھل گئی۔ بندر کو کچھ شک ہوا اور اس نے بندریا کو سونگھا، اور سونگھنے کے بعد زور زور سے چلانے لگا۔ اس کی آواز سن کر سب بندر جمع ہو گئے۔ پھر ان میں سے ایک ان کے درمیان یوں کھڑا ہوا کہ زیادہ کوئی خطبہ دے رہا ہو۔ پھر وہ سب اس بندر کی تلاش میں نکل پڑے جو بندریا کے پاس آیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اسے پکڑ کر لے آئے اور میں بھی اسے پہچان گیا۔ پھر سب بندروں نے مل کر ان دونوں کے لیے گڑھے کھودے اور انہیں سنگسار کر کے مار ڈالا!

جبکہ دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ نے یہ واقعہ سنا کر فرمایا:

”اللہ کی قسم! میں نے رجم کی سزا دیکھی، حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث بھی فرمایا تھا۔“

پس بلاکت ہو جانوروں سے بھی بدتر ان انسانوں کے لیے: ان صحافیوں، کالم نگاروں اور ’حقوقی انسانی‘ کے علمبرداروں کے لیے جو اس دین فطرت کی مقرر کردہ حدود پر معترض ہوتے ہیں، اور انہیں ’وحشیانہ سزائیں‘ اور ’وقیانوسی قوانین‘ قرار دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ بندر وہ جانور ہے جو اپنی شہوت پرستی کے سبب بدنام ہے۔ عربی زبان میں کسی شخص کی بدکرداری ظاہر کرنی ہو تو یہ مثال دی جاتی ہے کہ ”فلان اذی من اللہ“، یعنی یہ کہ فلاں تو بندر سے بھی زیادہ بدکار ہے۔ لیکن اس کے باوجود بندروں کے یہاں بھی کچھ فطری اخلاقیات پائی جاتی ہیں، جن کی مخالفت کرنے پر وہ بھی سخت سزا دیتے ہیں۔ پس اسلام کی مقرر کردہ حدود اور سزائیں پر وہی انسان نما چوپائے معترض ہو سکتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ انسانی معاشرہ ہر قسم کے اخلاق و آداب سے عاری ہو جائے، کسی کی عزت و عفت کے لیے کوئی حرمت باقی نہ بچے اور وہ جانوروں کی طرح، یا شاید ان سے بھی بڑھ کر، جہاں چاہیں جیسے چاہیں اپنی شہوات پوری کرتے پھریں۔ یقیناً اسلام ایسی فاسد تہذیب (بد تہذیب) کو ہرگز برداشت نہیں کرتا۔ اسلام تو عزتوں و عصمتوں کا محافظ ہے اور اولاد آدم علیہ السلام کے شایان شان، اعلیٰ اخلاق سے آراستہ ایک پاکیزہ معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے۔

حطین (۷)..... (۱۴۳)

نمبر من اللہ وفتح قریب

اخبار ملاحم (میدان جہاد کی خبریں)

جمعہ تقریب: حافظ صلاح الدین

امارت اسلامیہ افغانستان

(محرم الحرام ۱۴۳۲ھ تا رجب ۱۴۳۲ھ)

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

قدائی حملے	دھاوا	کین	بارودی سرنگیں	میزائل حملے
۶۳	۱۰۹۷	۳۳۳	۱۳۵۲	۳۵۴

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

افغان فوجی	صلیبی فوجی
۲۷۸۸ ہلاک	۶۹۸۲ ہلاک

دشمن کے مالی نقصان کا اجمالی خاکہ

ٹینک، بکتر بند گاڑیاں	آئل ٹینگر، ٹرک	گاڑیاں
۱۳۳۸ تباہ	۳۶۵ تباہ	۱۰۳۹ تباہ

حطین (۷)..... (۱۴۵)

دشمن کے مالی نقصان کا اجمالی خاکہ

پولیس گاڑیاں	رسد و مک	صلیبی بکتر بند	سرکاری گاڑیاں	عراقی فوجی گاڑیاں
۳۸ تباہ، ۲۲ ناکارہ	۹ تباہ	۷ تباہ، ۵ ناکارہ	۳۲ تباہ، ۲ ناکارہ	۳۹ تباہ، ۲ ناکارہ

امارت اسلامیہ قوت قاز

(محرم الحرام ۱۴۳۲ھ تا رجب ۱۴۳۲ھ)

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

میزائل حملے	دھاوا	شہیدی حملے	کیمین	بارودی سرنگیں	کار بم	ٹارگٹ کلنگ
۷	۲۳	۹	۱۱	۲	۱۱	۵۱

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

روسی فوج	حکومتی عہدیداران، روسی کفار	پولیس	ایف ایس پی	سیکیورٹی اہلکار
۳۸ ہلاک، ۳۹ زخمی	۱۵۰ ہلاک، ۳۶ زخمی	۸۰ ہلاک، ۶۵ زخمی	۸ ہلاک، ۱۳ زخمی	۹۳ ہلاک، ۶۲ زخمی

مغرب اسلامی (الجزائر)

(محرم الحرام ۱۴۳۲ھ تا رجب ۱۴۳۲ھ)

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

بارودی سرنگیں	شہیدی حملے	دھاوا	ٹارگٹ کلنگ	دھان	کیمین
۳۰	۳	۱۳	۵	۳۳	۱۵

دشمن کی فضائیہ کا نقصان

جاسوس طیارے	ہیلی کاپٹر، طیارے
۱۹ تباہ	۳۲ تباہ

امارت اسلامیہ عراق

(محرم الحرام ۱۴۳۲ھ تا رجب ۱۴۳۲ھ)

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

بارودی سرنگیں	دھاوا	ٹارگٹ کلنگ	کار بم	میزائل	کیمین
۲۹۸	۴۲	۲۳۰	۱۳	۱۵	۲۶

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

امریکی	عراقی فوجی	عراقی پولیس	حکومتی عہدیداران	جیش الد جال
۳۷ ہلاک، ۳۹ زخمی	۱۷۵ ہلاک، ۲۱۷ زخمی	۲۰۳ ہلاک، ۲۴۱ زخمی	۱۱۴ ہلاک، ۳۶ زخمی	۵۳ ہلاک، ۳۹ زخمی
قوة الصخرة	خفیہ اہلکار	سپیشل فورسز	ماہرین بارود	جاسوس
۱۳۷ ہلاک، ۸۹ زخمی	۵۳ ہلاک، ۱۶ زخمی	۳۳ ہلاک، ۱۹ زخمی	۶ ہلاک	۱۵ ہلاک

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

الجزائری پولیس	الجزائری فوج	موریٹانی فوج	جاسوس	فرانسیسی ونا بحیری فوج
۵۴ ہلاک، ۳۵ زخمی	۸۵ ہلاک، ۸۲ زخمی	۲۰ ہلاک	۱ ہلاک	۲۲ ہلاک

دشمن کے مالی نقصان کا اجمالی خاکہ

الجزائری فوج کی گاڑیاں	موریٹانی فوج کی گاڑیاں	رسد و ملک کے ترک
۱۲	۱۲	۳

جہاں مجاہدین نے ان کارروائیوں کی تفصیلات نشر کیں تو وہاں آخر میں یہ کہا کہ: ”ہم جب امت مسلمہ کو اس کے بیٹوں اور عقبہ بن نافع و یوسف بن تاشفین رحمہما اللہ کے جانشینوں کی طرف سے خوش خبریاں سناتے ہیں تو اس سے ہمارا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے مسلمان نوجوانوں کو اپنے مجاہد بھائیوں کی نصرت کی ترغیب دیں، اور ان سے دعاؤں کی درخواست کریں۔ اور ہم انھیں یقین دلاتے ہیں کہ مجاہدین کی کاری ضربیں امریکہ کے غلاموں اور فرانس کے معاونوں کو نقصان پہنچاتی رہیں گی اور ہماری تلواریں ان خائنوں کے خون سے ہمیشہ رنگین رہیں گی تاکہ دنیا والے جان لیں کہ جب تک دیار اسلام کا چپہ چپہ آزاد نہیں ہو جاتا اور جب تک کہ فتنہ ختم، اور اللہ کا دین غالب نہیں ہو جاتا، ہم اپنے گھروں کو ہرگز نہ لوٹیں گے۔ واللہ اکبر، واللہ اکبر، واللہ اکبر!“

انبیاء کی سرزمین ”فلسطین“

اسرائیلی متیوضہ فلسطین میں جب ’حماس‘ نے اسرائیلی غاصبوں کے خلاف مزاحمت روک رکھی ہے تو ایسے میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے کچھ دیگر گروہوں کو کھڑا کر دیا ہے جو استطاعت بہرہ یہود اسرائیل کے خلاف جہاد کے فریضے کو ادا کر رہے ہیں اور انھیں واصل جہنم کر رہے ہیں۔ ان گروہوں میں جماعة التوحید والجهاد، مأسدة المجاہدین فی فلسطین اور انصار

السنة اکتاف بیت المقدس شامل ہیں۔ ان جماعتوں کی طرف سے کی گئی وہ چند کارروائیاں ذیل میں دی جا رہی ہے جن کی تفصیلات ہم تک پہنچ پائی ہیں۔

• ۲۶ ذوالحجہ ۱۴۳۱ھ: مجاہدین کے ایک گروہ نے ’کرمل‘ کے جنگلات میں بہت سا کچرا اکٹھا کیا اور پھر اس پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی۔ ایک دوسرے گروہ نے جنگل میں جگہ جگہ پٹرول چھڑک ڈالا۔ یہ کر کے مجاہدین وہاں سے نکل آئے۔ پھر یہ ہوا کہ کچھ ہی دیر میں ہوا کی بدولت آگ پورے جنگل میں پھیل گئی اور اس نے قریبی دیہاتوں کو بھی لپٹی لپٹ میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس واقعے میں ۴۰ سے زائد یہودی مارے گئے اور ۱۵ ہزار کے قریب بے گھر ہوئے۔ اہلاک کا نقصان اس کے علاوہ ہوا جو ۱۲۰ ملین شیکل (اسرائیلی کرنسی) تک پہنچتا ہے۔ (مأسدة المجاہدین)

• ۲۲ محرم ۱۴۳۲ھ: مجاہدین اسلام نے ’حيفا‘ شہر سے ’عل ایب‘ جانے والی ریل گاڑی کو نشانہ بنایا اور اسے جلا ڈالا۔ الحمد للہ اس کارروائی میں بے شمار یہودی واصل جہنم ہوئے۔ (مأسدة المجاہدین)

• ۶ صفر ۱۴۳۲ھ: شامی ’غزہ‘ کے علاقے ’عسقلان‘ میں ایک اسرائیلی چوکی پر چار میزائل داغے گئے، جبکہ اسی روز مشرقی ’ذیر السج‘ میں ’العین الثلاثہ‘ کی چوکی پر ۲ میزائل داغے گئے، مشرقی ’غزہ‘ میں ’سعد‘ پر ایک میزائل داغا گیا اور مشرقی ’خان یونس‘ میں ’مستاریم‘ اور ’نیریم‘ کی چوکیوں پر ۲ میزائل داغے گئے۔ (جماعة التوحید والجهاد)

• ۱۳ صفر ۱۴۳۲ھ: مشرقی ’غزہ‘ میں مجاہدین نے ’نیر عوز‘ میں یہودی ہستی کو میزائل کے ذریعے نشانہ بنایا۔ (جماعة التوحید والجهاد)

• ۱۶ صفر ۱۴۳۲ھ: ’غزہ‘ کے مشرق میں ’سیدروت‘ کی چوکی پر ایک میزائل داغا گیا۔ اسی روز مجاہدین نے ’غزہ‘ کے شامی علاقے میں ’عسقلان‘ کے پاور پلانٹ پر ایک میزائل داغی۔ (جماعة التوحید والجهاد)

• ۱۷ صفر ۱۴۳۲ھ: مجاہدین نے ’غزہ‘ کے مشرقی علاقے میں ’مستاریم‘ کی چوکی پر ایک میزائل داغی۔ (جماعة التوحید والجهاد)

- ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ: مجاہدین نے 'غزہ' کے مشرقی علاقے میں 'سید یروث' کی چوکی پر ۲ میزائل داغے۔ (جماعة التوحید والجهاد)
- ۳۰ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ: مجاہدین نے 'غزہ' کے شمالی علاقے میں 'زیکیم' کی چوکی پر میزائل کے ذریعے حملہ کیا۔ (جماعة التوحید والجهاد)
- یکم رجب ۱۴۳۲ھ: مجاہدین نے 'رفح' کے مشرقی علاقے میں 'یتید' کی چوکی پر ایک میزائل داغی۔ (جماعة التوحید والجهاد)

ہم حماس کے بھائیوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ دوبارہ اسرائیل کے خلاف 'جہاد اور صرف جہاد' کے راستے کو اپنائیں، اور اس طرح 'شیخ احمد یاسین' اور 'عبد العزیز رتیبی' رحمہما اللہ والی حماس دوبارہ زندہ ہو جائے آمین۔

ارضی ہجرت و رابطہ "صومالیہ"

الحمد للہ صومالیہ کے بیشتر علاقوں میں حرکت الشباب المجاہدین کو مکمل ممکن حاصل ہے، اور وہاں شریعت کی حاکمیت قائم ہو چکی ہے۔ حرکت الشباب نے ان علاقوں کو سات صوبوں کی شکل میں تقسیم کر رکھا ہے: بنادر الاسلامیہ، جوبا الاسلامیہ، شبیلی الاسلامیہ، قیڈو الاسلامیہ، ہیران الاسلامیہ، بای ویکول الاسلامیہ اور قلقدود الاسلامیہ۔ ان علاقوں میں جہاں کہیں شریف حسین کے کچھ سپاہی موجود ہیں تو ان بھی کا ایک ایک کر کے صفایا کیا جا رہا ہے۔ پچھلے عرصے میں شریف حسین کی فوج کے ۱۳ سپاہیوں نے خود کو مجاہدین کے حوالے کیا اور ان کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اسی طرح ان علاقوں میں حدود اللہ کا نفاذ بھی عمل میں لایا جا رہا ہے۔ سابقہ ۱۴ ماہ میں حرکت الشباب نے ان علاقوں میں درج ذیل اہم سرگرمیاں سرانجام دیں:

- ۱۔ شبیلی الاسلامیہ صوبے میں پولیس کا شعبہ قائم کیا گیا اور ان کی تربیت کے لیے دورہ جات کا اہتمام کیا گیا۔

- ۲۔ صوبوں کے قاضی حضرات کے لیے دورہ قضاء کا اہتمام کیا گیا جو ۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ سے ۱۰ رجب ۱۴۳۲ھ تک جاری رہا۔ الحمد للہ اس میں مختلف صوبوں سے آئے ہوئے قاضی حضرات شامل تھے، اور یہ اپنی نوعیت کا چھٹا دورہ تھا۔
- ۳۔ صوبوں میں قائم شرعی عدالتوں میں لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کیا گیا اور مختلف مجرموں کو حدود و تعزیرات کے تحت سزائیں دی گئیں۔
- ۴۔ صوبہ ہیران الاسلامیہ میں شعبہ دعوت کے تحت تاجر حضرات کے لیے شرعی دورہ منعقد کیا گیا۔

- ۵۔ صوبہ بای ویکول الاسلامیہ میں خواتین کے لیے شرعی دورے کا انعقاد کیا گیا۔

- ۶۔ شبیلی الاسلامیہ کے والی شیخ ابو عبد اللہ نے صوبہ ہیران الاسلامیہ کا دورہ کیا اور وہاں کی مرکزی مسجد میں عوام المسلمین سے خطاب کیا، جس میں انھوں نے عراق، افغانستان اور پاکستان کے مجاہدین کے حالات کا تذکرہ کیا اور عرب دنیا میں اٹھنے والی عوامی تحریکوں پر بات کی۔

- ۷۔ صوبہ قلقدود الاسلامیہ کے منتظمین نے شہر 'عیل قرس' سے 'صین دیری' جانے والی مرکزی شاہراہ کی مرمت کا کام شروع کیا، تاکہ مسلمانوں کو سفر میں پیش آنے والی دشواریوں سے بچایا جاسکے۔

- ۸۔ صوبہ بنادر الاسلامیہ میں طلباء کے لیے مختصر دورے کا اہتمام کیا گیا جس میں علماء و داعی حضرات نے دروس دیے۔

- ۹۔ صوبہ شبیلی الاسلامیہ میں شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد ایک جلسے کا اہتمام کیا گیا جس کا عنوان تھا: کلفنا أسامة (ہم سب اسامہ ہیں)۔ اس جلسے میں حرکت الشباب کے قائدین، قبائلی قائدین اور مختلف قنون کے ماہرین نے شرکت کی، جن میں سرفہرست شیخ ابو عبد الرحمن (والی صوبہ بنادر الاسلامیہ)، شیخ مختار ابو منصور، شیخ فواد محمد خلف، شیخ حسن طاہر اور یس اور شیخ ابو منصور الامرکی ہیں۔

۱۰۔ صوبہ بنادر الاسلامیہ میں حرکت الشباب کی قبیلہ 'مدلود' کے عمائدین کے ساتھ ایک نشست ہوئی جس میں بہت سے سیاسی و جہادی امور زیر بحث آئے۔ اس نشست میں قبائلی عمائدین، مجاہدین کی مکمل حمایت کا اعلان کیا اور یقین دہانی کرائی کہ وہ جہاد میں ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ ان حالات میں الحمد للہ جنگ کا دائرہ انتہائی محدود ہو چکا ہے، اور زیادہ تر لڑائی دارالحکومت موغادیشو اور اس کے گرد و نواح میں ہو رہی ہے، جس کا اندازہ قارئین کو ذیل میں دی گئی تفصیلات سے ہو جائے گا۔

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

بارودی سرگرمیں	دھواں	کمین
۶	۷	۲

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

صومالی فوجی	یوگینڈی فوجی
۷۰ ہلاک، ۲۰ زخمی	۵۴ ہلاک، ۲۵ زخمی

دشمن کے مالی نقصان کا اجمالی خاکہ

گاڑیاں	ٹینک
۳	۱

نہایت: مجاہدین نے اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے ان کارروائیوں میں بیش بہا اسلحہ بھی بطور نصیبت حاصل کیا۔ اس میں ۹ عدد کلاشنکوف، ۱۵ عدد پیکا، ۶ عدد ہاون کے لانچر اور دیگر چھوٹا اسلحہ شامل ہے۔ اس کے علاوہ مجاہدین نے ۹ عدد گاڑیاں بھی دشمن سے قبضے میں لیں، جن میں سے ۴ گاڑیوں پر طیارہ شکن 'دوشکا' بھی نصب تھی۔ واللہ الحمد!

آخر میں ایک بری خبر کا تذکرہ بھی کرتے چلیں کہ آج کل صومالیہ میں پچھلے چند سالوں کی خشک سالی کی وجہ سے قحط کا خطرہ بڑھ گیا ہے، اور بھوک و افلاس تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے۔ یقیناً حرکت الشباب کے پاس اس قدر وسائل نہیں ہیں کہ قحط کی صورت میں وہ تمام صومالی مسلمانوں کو سہولتیں بہم پہنچا سکیں۔ مجاہدین 'اقوام متحدہ' اور ایسے دیگر اداروں کو بھی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ عوام کی امداد کریں کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کے قطعاً خیر خواہ نہیں اور امداد کے نام پر سیاسی سرگرمیاں شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے میں پوری امت مسلمہ کو چاہیے کہ وہ آگے بڑھے اور اللہ کے راستے میں دل کھول کر خرچ کرے اور صومالیہ میں موجود اپنے بھائیوں کی بھرپور امداد کرے تاکہ انھیں قحط سے بچایا جاسکے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ قریباً تمام مسلم خطوں میں صومالی بھائی موجود ہیں، ان کے ذریعے صومالیہ میں موجود ان کے خاندانوں تک پہنچا جاسکتا ہے۔ لہذا اپنے اپنے خطوں میں قابل اعتماد بھائیوں کو تلاش کیا جائے اور انھیں امداد دی جائے تاکہ وہ اسے صومالیہ پہنچا دیں۔ اس کے علاوہ دوسرا اہم کام یہ ہے کہ تمام مسلمان اللہ کے حضور دست دعا دراز کریں کہ اسے اللہ! صومالیہ میں موجود ہمارے بھائیوں کو قحط کی مشکلات سے محفوظ رکھ، اور انھیں بھوک و افلاس کے فتنے سے بچا، اور انھیں اپنی پاکیزہ شریعت کی برکات سے نواز، آمین یا رب العالمین!

بقعہ ایمان و حکمت "یمین"

پچھلے چھ ماہ میں یمین کی صورتحال انتہائی خوش آئند رہی ہے۔ الحمد للہ، عوامی سطح پر پیدا ہونے والی بیداری نے یمین کے جنوبی علاقے میں حکومت اور فوج کا اثر و سوج کافی حد تک کم کر دیا ہے۔ اس دوران مجاہدین نے یہ کام سرانجام دیا کہ عوام المسلمین کو حقیقی منزل سے آگاہ کیا، شریعت اسلامیہ کی حاکمیت کی راہ ہموار کی اور جہاں یمین فوج نے چڑھائی کی تو وہاں کامل استطاعت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور ان سے اپنا اور عوام المسلمین کا دفاع کیا۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں الحمد للہ مجاہدین نے عامۃ الناس کے ساتھ مل کر جنوبی یمین کے علاقے 'امین' کے دارالخلافہ 'زنجبار' اور ایک اور شہر 'جار' پر اپنا مکمل تسلط قائم کر لیا ہے، اور وہاں حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ مجاہدین کی

اگلی منزل اب جنوبی یمن کا علاقہ 'عدن' ہے۔ الحمد للہ صدر عبد اللہ صالح کے بھاگ جانے کے بعد اب حالات مزید سازگار ہوتے جا رہے ہیں۔ پوری امت مسلمہ کو چاہیے کہ وہ یمن میں مجاہدین اور عامۃ المسلمین کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انھیں وہاں اقتدار عطا فرمائیں اور وہ شریعت اسلامیہ کی برکات سمیٹیں، آمین!

سابقہ چھ ماہ کے عرصے میں مجاہدین کی کارروائیوں کے اعداد و شمار ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

دھاوا	کمین	ہارگٹ کلنگ	میزائل حملے	کاریم دھماکہ
۱۶	۱۵	۱۵	۱۲	۱

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

یمنی فوجی	یمنی پولیس	سعودی فوجی	خفیہ اہلکار	پولیشل سکیورٹی اہلکار
۱۲۵ ہلاک، ۱۰۶ زخمی	۲ ہلاک، ۷ زخمی	۲ ہلاک، ۱ زخمی	۲ ہلاک، ۱ زخمی	۳ ہلاک

الحمد للہ ان ہلاکتوں میں یمنی فوج کے چھ اعلیٰ افسروں کی ہلاکت بھی شامل ہے۔

دشمن کے مالی نقصان کا اجمالی خاکہ

فوجی گاڑیاں	آئل ٹینکر اور ٹرک	صلیبی گاڑیاں
۷ تباہ	۲ تباہ	۱ تباہ

ان کارروائیوں کے نتیجے میں جہاں شہر فتح ہوئے، وہاں مجاہدین نے بیش بہا غنیمت بھی حاصل کی۔ ایک کارروائی میں مجاہدین نے ۲ کٹر بند، ایک ٹینک اور اسلحے سے بھرے ہوئے کئی ٹرک حاصل کیے، جبکہ ایک دوسری کارروائی میں ۱۳ اسلحے سے بھری ہوئی گاڑیاں اور ایک کروڑ یمنی ریال غنیمت کیے، واللہ۔

مشرقی ترکستان

۱۵ شعبان ۱۴۳۲ھ: مشرقی ترکستان کے علاقے ہون میں مجاہدین نے دستی بموں اور بارود کے ساتھ ایک پولیس تھانے پر حملہ کیا اور تھانے کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ مجاہدین نے وہاں موجود پیشتر پولیس اہلکاروں کو ہلاک کر دیا اور کچھ کو یرغمال بنالیا۔ اس کے بعد پولیس کی مزید نفری بلائی گئی، اور ان کے اور مجاہدین کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ ہوتا رہا۔ یہ معرکہ ۲ گھنٹے تک جاری رہا جس میں بہت سے پولیس اہلکار مارے گئے جبکہ مجاہدین نے بھی جام شہادت نوش کیا۔

۲۷ شعبان: دو مجاہدین نے ایک ٹرک کو اپنے قبضے میں لیا اور اس کے ساتھ چینی کفار کے ایک مجمع پر چڑھ دوڑے۔ پھر نیچے اتر کر بھی دیگر کافروں کو فائرنگ کا نشانہ بنایا۔ اس کے نتیجے میں ۸ چینی مارے گئے جبکہ ۲ زخمی ہو گئے۔

۲۸ شعبان: کو مجاہدین نے ایک ہوٹل پر حملہ کیا جس میں تین پولیس اہلکاروں سمیت ۶ لوگ مارے گئے جبکہ دیگر ۱۵ زخمی ہو گئے۔

واضح رہے کہ یہ حملے اس وقت شروع ہوئے ہیں جب اس سے قبل چینی حکومت اور اس کے اہلکاروں نے احتجاج کرنے والوں ایغوری مسلمانوں کو اندھا دھند فائرنگ کر کے بڑی تعداد میں شہید کیا۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں، ہمارے ترکستانی بھائی پچھلی نصف صدی سے چینی کافروں کے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ ان کے لیے پوری امت میں آواز اٹھانے والا کوئی نہیں۔ اجنبیت کی انتہاء ہو گئی۔ کفار کے غلام ذرائع ابلاغ اب بھی ان واقعات کو نسلی فسادات کہہ رہے ہیں، جبکہ چینی سکیورٹی اہلکار چن چن کر مسلمانوں کو شہید کر رہے ہیں۔ خدا را! امت مسلمہ کو چاہیے کہ اپنے ترکستانی بھائیوں کے لیے آواز اٹھائیں، اور ہر ممکن صورت اختیار کر کے ان کی مدد کو پہنچیں۔ قتیبہ بن مسلم باہلی رحمہ اللہ کے جانشینوں کو اٹھنا ہو گا اور خبیث چین کے ہاتھ

اخبار ملام (سپاہین جہاد کی خبریں) — نصر من الله وفتح قريب

روکنے ہوں گے! اللہم انصر اخواننا المستضعفين في تركستان! (مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے ہمارا شائع کردہ مضمون: ”چین، ایک دوست ملک؟“ حطین شمارہ ۵)

سرزمین پاکستان

کارروائیوں کا اجمالی خاکہ

بارودی سرنگیں	شہیدی حملے	دھاوا	ٹارگٹ کلنگ	میزائل حملے	کیمین
۵۳	۱۰	۷۵	۱۹	۱۵	۴

دشمن کے جانی نقصان کا اجمالی خاکہ

پاکستانی فوج	پولیس	ایف سی اہلکار + خاصہ دار
۱۶۸ ہلاک، ۲۱۱ زخمی	۲۹ ہلاک، ۹۵ زخمی	۲۵۰ ہلاک، ۳۳ زخمی
قبائلی لشکر	جاسوس	پاکستان نیوی
۶۳ ہلاک، ۳۳ زخمی	۶۷ ہلاک	۲۷ ہلاک، ۱۳ زخمی

دشمن کے مالی نقصان کا اجمالی خاکہ

فوجی گاڑیاں	نیٹو آئل ٹینکر اور کنٹینرز	طیارے
۱۸ تباہ	۱۵۹ تباہ	۳ تباہ

پیشتر اعداد و شمار قبائلی علاقوں میں کی گئی کارروائیوں کے ہیں جہاں مجاہدین پاکستانی فوج اور دیگر سیکورٹی اداروں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ نامساعد حالات کے سبب چونکہ مکمل تفصیلات سے آگاہی نہ ہو سکی لہذا درج بالا اعداد و شمار کو حقیقت کی ایک جھلک کے طور پر دیکھا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستانی فوج نے جس علاقے میں بھی آپریشن شروع کیا، وہاں اسے منہ کی کھائی پڑی۔ اس وقت فوج علاقہ محسود میں بری طرح پھنسی ہوئی ہے، جہاں اسے چار جانب سے دن

اخبار ملام (سپاہین جہاد کی خبریں) — نصر من الله وفتح قريب

رات مجاہدین کے حملوں کا سامنا ہے۔ دوسری طرف فوج نے علاقہ سمہند میں آپریشن شروع کیا تو وہاں بھی انھیں ہزیمت اٹھانی پڑ رہی ہے۔

ان علاقوں سے وابستہ مجاہدین سے گزارش ہے کہ قارئین تک مکمل صورتحال پہنچانے میں ہماری مدد کریں اور اپنی تمام کارروائیوں کی تفصیلات ہمارے برقی پتے پر ارسال کریں، تاکہ اسے مسلمانانِ پاکستان کے سامنے لایا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائیں، آمین!

اسباب مغفرت

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ / ابن حجر عسقلانی مولوی انور شاہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے ایک حدیث قدسی روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِي وَزَجَوْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ عَلَى مَا كَانَ مِنْكَ وَلَا أَبَالِي. يَا ابْنَ آدَمَ لَوْ بَلَغْتَ ذُنُوبَكَ غَنَانِ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ. يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيتَنِي لَا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَأُتَيْتَكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً“۔

”اے آدم کی اولاد! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے توقعات وابستہ رکھے گا، میں بھی تجھے معاف کرتا رہوں گا، چاہے تو جس حالت پر بھی ہو اور میں (تیرے گناہوں اور خطاؤں کی کثرت کی) کچھ پروا نہ کروں گا۔

اے آدم کی اولاد! اگر تیرے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں اور پھر تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے معاف کر دوں گا۔

اسباب مغفرت

قد افلح من تزكى

اے آدم کی اولاد! بے شک اگر تو اتنی خطاؤں کا ارتکاب کرے جو زمین کو بھر دیں، پھر تیری ملاقات مجھ سے اس حالت میں ہو کہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تو میں بھی تجھے زمین کے بھراؤ کے برابر بخشش کے ساتھ ملوں گا۔“

یہی مضمون ایک دوسری حدیث قدسی میں بھی مروی ہے جسے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

”يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّي شَبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا، وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّي ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا، وَمَنْ أَتَانِي بِمِثْقَلِ أُتَيْتُهُ هَرَوَلَةً. وَمَنْ لَقِيَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطِيئَةً لَا يُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَقِيتُهُ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً“۔

”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو شخص ایک باشت میرے قریب ہو گا تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوں گا، اور جو کوئی ایک ہاتھ میرے قریب ہو گا تو میں دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر اس کے قریب ہوں گا، اور جو کوئی چلتے ہوئے میری طرف آئے گا تو میں دوڑتے ہوئے اس کی طرف جاؤں گا، اور جو شخص مجھ سے (قیامت کے روز) اس حال میں ملے گا کہ اس کے گناہ زمین کے بھراؤ کے برابر ہوں گے مگر اس نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو گا تو میں اسی قدر بخشش کے ساتھ اس سے ملوں گا۔“

ایک اور روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مبارک نقل فرماتے ہیں کہ:

”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَخْطَأْتُمْ حَتَّى تَمْلَأَ خَطَايَاكُمْ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتُمْ اللَّهَ لَغْفَرَ لَكُمْ“۔

جامع الترمذی: کتاب الدعوات عن رسول اللہ ﷺ، باب فی فضل التوبة والاستغفار

المصباح لمسلم: کتاب الذکر والدعاء والتوبة، باب فضل الذکر والدعاء والتقرب إلى الله

”اس ذات کی قسم، جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر تم اس قدر گناہ کرو کہ آسمان اور زمین کے درمیان خلا تمہارے گناہوں سے بھر جائے، پھر تم اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو تو وہ تمہیں ضرور موقوف کر دے گا۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث — جو ہم نے سب سے پہلے ذکر کی — اس میں مغفرت کے تین اسباب ذکر کئے گئے ہیں۔ (آئیے اب ان تینوں اسباب کا تفصیل سے مطالعہ کرتے ہیں۔)

مغفرت کا پہلا سبب: قبولیت کی امید رکھتے ہوئے دعا کرنا

بخشش اور مغفرت کے اسباب میں سے پہلا سبب یہ ہے کہ بندہ ”مومن اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی امید رکھتے ہوئے دعا مانگے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دعا مانگنے کا حکم بھی دیا ہے اور اسے قبول کرنے کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (غافر: ۶۰)

”اور تمہارے رب نے کہا کہ تم مجھ سے دعا مانگو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔“

اور حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”إن الدعاء هو العبادة“ ثم تلا هذه الآية۔

”بے شک دعا عین عبادت ہے“ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔“

ایک دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”من أعطي الدعاء أعطى الإجابة لأن الله تعالى يقول: ﴿ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾۔“

مسند احمد ۴۰۰ سند ابی یعلیٰ

سنن الأربعة، عن نعمان بن يسر رضي الله عنه

”جس شخص کو دعاء کی (توفیق) دے دی گئی، اس کی دعا قبول بھی کر لی گئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا

فرمان ہے: ﴿قسم مجھ سے دعا مانگو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا﴾۔“

ہاں! قبولیت دعا کی چند شرائط ضرور ہیں جن کا پورا کیا جانا ضروری ہے۔ اگر ان شرائط کا خیال نہ رکھا جائے تو دعا کی قبولیت پر اثر پڑتا ہے۔

قبولیت دعا کی اہم ترین شرط: حضور قلبی کے ساتھ اور قبولیت کی امید رکھتے ہوئے دعا مانگنا

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

”أدعوا الله وأنتم موقنون بالإجابة وإن الله تعالى لا يقبل دعاء من قلب غافل لاه“۔

”تم جب بھی اللہ سے دعا مانگو، تو اس کی قبولیت کا یقین رکھتے ہوئے مانگو! اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسی دعا قبول نہیں فرماتے جو غافل اور لاپرواہ دل سے نکلی ہو۔“

ایک دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”إن هذه القلوب أوعية فبعضها أوعى من بعض، فإذا سألتهم الله فاسألوه وأنتم موقنون بالإجابة فإن الله لا يستجيب لعبد دعاء من ظهر قلب غافل“۔

”بے شک دل برتن کی، تند ہوتے ہیں۔ پس بعض دل دوسرے دلوں سے طلب خیر کے

معالے میں آگے ہوتے ہیں۔ سو تم جب بھی اللہ سے سوال کرو تو اس حال میں کرو کہ تمہیں

اس کی قبولیت کا یقین ہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا قبول نہیں فرماتے۔“

^۲ أخرجه الطبراني مرفوعاً، لال الهيثمي في مجمع الزوائد عنه: فيه محمود بن العباس وهو ضعيف۔

^۳ جامع الترمذي: كتاب الدعوات، باب ما جاء في جامع الدعوات عن النبي ﷺ، ومسند احمد۔ إسناده ضعيف عند العراقي، ولكن له شواهد. كما ذكر ذلك الشيخ عبد الفادر الأرنؤوط۔

^۴ مسند احمد۔ وهو حديث حسن كما ذكر ذلك الهيثمي، والشيخ عبد الفادر الأرنؤوط۔

اسی طرح اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ کوئی بندہ اپنی دعائیں یہ الفاظ کہے: اللھم اغضربنی اللہ بشفقتہ یعنی "اے اللہ! اگر آپ چاہیں تو میری مغفرت فرمادیں"، بلکہ جب بھی دعائیں مانگے تو پہلے یہ نہیں اور اعتماد سے مانگے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی کمی نہیں۔

نیز بندے کو اس بات سے بھی منع کیا گیا ہے کہ وہ دعا کی قبولیت کے لیے جلد بازی کرے اور جب دعا فوری قبول نہ ہو تو دعائیں مانگتا ہی چھوڑ دے۔ بندہ مومن کو تو ہرگز دعا کی قبولیت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ دلچسپی کے ساتھ مسلسل دعائیں مانگنے والے کو پسند کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند فرماتے ہیں جو دلچسپی کے ساتھ برابر دعا کرتا رہے، چاہے دعا کی قبولیت میں دیر ہو جائے۔ سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَةَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (الأعراف: ٥٥)

"اور تم اللہ کو ڈرتے ہوئے اور (اس کی رحمت کی) امید رکھتے ہوئے پکارو، بے شک اللہ کی رحمت نیک بندوں کے قریب ہے۔"

میں جو بندہ برابر دلچسپی کے ساتھ دعائیں مانگتا ہے، قبولیت کی امید رکھتا ہے اور دعا کے قوری قبول نہ ہونے کے سبب ناامید نہیں ہوتا تو اس کی دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہوتی ہے، کیونکہ جو شخص پابندی سے دروازہ کھٹکھٹاتا رہے تو امید ہوتی ہے کہ اس کے لیے دروازہ کھول ہی دیا جائے گا۔

ایک مرفوع روایت میں آتا ہے کہ:

"لا تعجزوا فی الدعاء فإنه لن یهلك مع الدعاء أحد"۔

"تم دعا کرنے سے ہاتھ مت کھینچنا، کیونکہ (زیادہ) دعائیں کرنے سے کوئی ہلاک نہیں ہو گا (یعنی کثرت سے دعا کرنے میں انسان کا کوئی نقصان نہیں، بلکہ مراسر فائدہ ہے)"۔^۸

اہم ترین دعا یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے

دعاؤں میں سے اہم ترین دعا یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرے، اور جہنم سے نجات اور جنت میں داخلے کی دعا کرے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک بدوی صحابی سے پوچھا کہ تم نماز میں کیا پڑھتے ہو تو وہ کہنے لگا: "أَشْهَدُ ثُمَّ أَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ. أَنَا وَاللَّهُ مَا أَحْسَنُ ذَنْبَنِي وَلَا ذَنْبَكَ مُعَاذٌ"۔

"میں تشہد پڑھتا ہوں اور پھر یہ دعائیں مانگتا ہوں: اے اللہ میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اس کے علاوہ واللہ! مجھے آپ کی اور معاذ کی طرح لمبی لمبی مناجات کرنا نہیں آتا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"خَوَّلَهَا دَنْدَنُ يَا أَخَا الْعَرَبِ (يعني حول سؤال الجنة والنجاة من النار)۔"

"اے عرب بھائی! ہماری مناجات کا مقصد بھی یہی ہے جو تم کہہ رہے ہو، (یعنی ہماری دعاؤں کا مقصد بھی جنت کی طلب اور جہنم سے نجات پانا ہے، اور تمہاری دعا بھی یہی ہے)"۔^۹

قبولیت دعا کے مراتب

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ بعض اوقات کوئی بندہ اپنی دنیاوی حاجت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وہ حاجت تو پوری نہیں فرماتے لیکن اس کے بدلے اپنے بندے کو اس سے بہتر چیز عطا فرمادیتے ہیں۔ مثلاً:

• اللہ تعالیٰ اس دعا کی وجہ سے کسی برائی کو اس سے دور کر دیتے ہیں،

• یا اس کی دعا کو آخرت کے لیے ذخیرہ کر دیتے ہیں،

• یا اس کے کسی گناہ کو معاف کر دیتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”ما من أحد يدعو بدعاء إلا آتاه الله ما سأل أو كف عنه من السيء مثله، ما لم يدع بإثم أو قطيعة رحم“۔

”جو شخص بھی کوئی دعا مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ (اس کی دعا قبول فرما کر) یا تو اسے وہی چیز عطا کر دیتے ہیں، یا پھر اس کے مثل کوئی برائی اس سے دور فرما دیتے ہیں، الا یہ کہ وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا کرے (یعنی گناہ یا قطع رحمی کی دعا کبھی قبول نہیں ہوتی)“۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

”ما من مسلم يدعو بدعوة ليس له فيها إثم أو قطيعة رحم إلا أعطاه الله بها إحدى ثلاث: إما أن يعجل له دعوته، وإما أن يدخرها له في الآخرة، وإما أن يكشف عنه من السيء مثلها۔

”جب بھی کوئی مسلمان ایسی دعا مانگتا ہے جس میں گناہ یا قطع رحمی کی بات نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کو تین چیزوں میں سے ایک ضرور عطا کرتے ہیں:

• یا تو اس کی وہی دعا جلد قبول فرما لیتے ہیں،

• یا اس کی دعا کو اس کے لیے آخرت میں ذخیرہ کر دیتے ہیں،

• یا اسی کے مثل کوئی برائی اس سے دور فرما دیتے ہیں۔“

(یہ سن کر) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے:

”إذَا نكثوا“

”اب تو ہم خوب کثرت سے دعا کریں گے۔“

”رواه أحمد والترمذي عن جابر رضي الله عنه

مطبوع (۷۳)

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ اکثر“

”اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑھ کر دعا قبول کرنے والا ہے۔“

امام طبرانی نے سابقہ روایت میں ”أو يكشف عنه من السيء مثلهما“ کی جگہ یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ:

”أو يغفر له بها ذنبًا قد سلف“۔

”یا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کا کوئی سابقہ گناہ موقوف کر دیتے ہیں۔“

صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے ہی بخشش کی امید رکھنا:

مغفرت و بخشش کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ جب بندہ کوئی گناہ کرے تو وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات سے بخشش کی امید رکھے۔ پس صرف اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی امید رکھتے ہوئے گریہ و زاری کے ساتھ دعا مانگنا بخشش کا خاص سبب ہے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”أَنَا عِنْدَ ظَنِّي عَبْدِي يَ قَلْبِي ظَنِّي يَ مَا شَاءَ“۔

”میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں، پس مجھ سے جیسا چاہو گمان رکھو۔“

ایک حدیث میں آتا ہے کہ:

”يَأْتِي الله بِالْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقْرَبُهُ حَتَّى يَجْعَلَهُ فِي حِجَابِهِ مِنْ جَمِيعِ الْخَلْقِ، فَيَعْرِفُهُ ذَنْبًا أَوْ غَيْرَ؟ أَتَعْرِفُ؟ أَتَعْرِفُ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ نَعَمْ، ثُمَّ يَلْتَفِتُ الْعَبْدَ يَمْنَةً وَنَسْرَةً. فَيَقُولُ اللهُ تَعَالَى: لَا بَأْسَ عَلَيْكَ يَا عَبْدِي أَنْتَ فِي سِتْرِي مِنْ جَمِيعِ خَلْقِي، لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَحَدٌ يَطْلُعُ عَلَى ذَنْبِكَ. غَيْرِي، غَفَرْتُهَا لَكَ بِحَرْفٍ وَاحِدٍ مِنْ جَمِيعِ مَا أَتَيْتَنِي بِهِ۔

”رواه أحمد والحاكم من أبي سعيد الخدري رضي الله عنه

المستدرک علی الصحیحین: کتاب التوبۃ والإنابة

مطبوع (۷۴)

قال: ما هو يا رب؟ قال: كنت لا ترجو العفو من أحد غيري."

"قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بندہ مومن کو اپنے قریب فرمائیں گے، یہاں تک کہ اسے تمام مخلوق سے (علحدہ کر کے) اپنے پردہ میں لے جائیں گے (اور پھر اللہ تعالیٰ) اسے اس کا ایک ایک گناہ یاد دلوائیں گے اور اس سے کہیں گے کہ کیا تجھے یہ گناہ یاد ہے؟ بندہ کہے گا: جی ہاں، جی ہاں (یعنی اپنے گناہوں کا اعتراف کرے گا)۔ پھر (وہ شرمندگی سے) اپنے دائیں بائیں دیکھنے لگے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے میرے بندے! تو پرواہ نہ کر کیونکہ تو تمام مخلوق سے پوشیدہ میرے پردے میں ہے۔ میرے اور تیرے علاوہ کوئی نہیں جو تیرے گناہوں سے واقف ہو۔ پس میں نے تیرے ایک حرف کی وجہ سے تیرے تمام گناہ بخش دیئے۔ بندہ کہے گا کہ اے میرے رب! وہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: (وہ یہ ہے کہ) تو میرے علاوہ کسی اور سے معافی کی امید نہیں رکھتا تھا۔"

پس بخشش کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ بندہ کوئی گناہ کرے تو وہ اللہ کے سوا کسی اور سے معافی کی امید نہ رکھے اور جان لے کہ گناہوں کو بخشنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

بندے کے گناہ کتنے ہی زیادہ ہوں، اللہ کا عفو دور گزر اس سے کہیں زیادہ ہے:

مذکورہ بالا حدیث انس کے ان الفاظ: "إنك ما دعوتني ورجوتني غفرت لك ما كان منك ولا أبالي" کا مطلب یہ ہے کہ اے آدم کی اولاد! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے توقعات وابستہ رکھے گا تو میں تیرے گناہوں اور تیری خطاؤں کی کثرت کی کچھ پروا نہیں کروں گا اور تجھے معاف کرتا رہوں گا، اور یہ میرے لیے کوئی بڑی بات نہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"إذا دعا أحدكم فليعظم الرغبة، فإنه لا يتعاطم على الله شيء."

"أخرجه الهيثمي في مجمع الزوائد عن سعيد بن جبور عن ابن عمر مرفوعاً مع اختلاف اللفظ، عزاه إلى الطبراني، وقال: فيه القاسم بن بهرام وهو ضعيف."

"جب تم میں سے کوئی شخص دعا مانگے تو پوری رغبت کے ساتھ دعا مانگے، اس لیے کہ اللہ

تعالیٰ (کی قدرت و مغفرت) سے کوئی چیز بڑی نہیں۔"

کسی بندے کے گناہ کتنے ہی زیادہ ہوں، مگر وہ اللہ تعالیٰ کے عفو و مغفرت کے مقابلے میں بہت ہی چھوٹے ہیں۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور وہ کہہ رہا تھا کہ:

"واذنوبنا" یعنی "ہائے میرے گناہ"۔

اس شخص نے یہ (جملہ) دو یا تین مرتبہ دہرایا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

"قل: اللهم مغفرتك أوسع من ذنوبي، ورحمتك أرحى عندي من عملي."

"کہو: اے اللہ! میرے گناہوں کے مقابلے میں تیری مغفرت زیادہ بڑی ہے اور میں اپنے عمل سے بڑھ کر تیری رحمت سے زیادہ امید رکھتا ہوں۔"

پھر اس شخص نے یہ (دعا) پڑھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوبارہ پڑھو! اس نے دوبارہ پڑھی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوبارہ پڑھو! اس نے پھر (یہی دعا) پڑھی۔ آخر حضور ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ:

"هم! قد غفر الله لك."

"اٹھو! ابے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کر دیا۔"

اسی بات کو ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے کہ:

يا رب! إن غطفت ذنوبي كثرة	فلقد غلبت بأن عفوك أعظم
إن كان لا يرحمك إلا محسن	فمن الذي يدعو ويرجو المجرم
ما لي إليك وسيلة إلا الرجا	وخميل عفوك ثم إلي مسلم

"صحيح ابن حبان، وكذا في الدعوات الكبير للبيهقي"

"المستدرک علی الصحیحین: کتاب المناسک"

(اے میرے رب! اگرچہ میرے گناہ بہت زیادہ ہیں مگر بلاشبہ میں جانتا ہوں کہ تیرا علم و درگزر (میرے گناہوں سے) بھی بڑھ کر ہے۔ اے اللہ! اگر صرف نیک آدمی تجھ سے امید رکھتا تو مجرم کس سے امید رکھے اور کس سے معافی مانگے؟! اے اللہ! تیری رحمت کی امید اور تیرے علم و بھروسے کے سوا میرے پاس اور کوئی وسیلہ نہیں جسے لے کر میں تیرے دربار میں حاضر ہوں۔ اور ہاں! کچھ بھروسہ اس بات پر بھی ہے کہ آخر میں مسلمان ہوں۔)
(جاری ہے، ان شاء اللہ)

قارئین کے مراسلات

اخلاص، حطین

✉ میرے عزیز ساتھیو، بھائیو اور جو لوگ بھی ادارہ حطین سے منسلک ہیں! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ان کاوشوں پر میں آپ سب کو مبارک باد کا مستحق سمجھتا ہوں۔ آخر الزمان کی احادیث کے مطالعے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رجالی دور ہے، اور آپ لوگ ایسے دور میں حطین کی طباعت اور اشاعت کر رہے ہیں۔ یقیناً یہ صرف اور صرف اللہ رب العزت کی امت مسلمہ پر مہربانی ہے کہ اس نے ایسے لوگ اس امت میں پیدا کیے جو کسی نہ کسی محاذ پر کفر کے ساتھ جنگ کرنے میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا فرمائیں، آمین!

وہیے تو میں حطین کا کافی عرصے سے قاری ہوں، لیکن اس مرتبہ (یعنی سابقہ شمارے میں) مدیر صاحب کی تحریر ”اہل پاکستان! ایک فیصلہ کن دور ہے پر“ پڑھنے کے بعد میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ مزید پاکستانی مسلمانوں تک یہ بات کس طرح پہنچائی جاسکتی ہے۔ میرے خیال میں حطین کی باقاعدہ طباعت اور اشاعت نہیں ہو پاتی ہوگی، لیکن پھر بھی دوسرے مسلمانوں تک اپنی بات پہنچانے کا یہی سب سے بہتر ذریعہ ہے کیونکہ ذرائع ابلاغ تو سارے کفر کے شکنجے میں ہیں۔ میری یہ میل بھی شاید ان کے پاس سے ہوتے ہوئے ہی آپ تک پہنچتی ہوگی۔ بہر حال حطین کی جب بھی اشاعت ہو تو آپ چند عدد میری طرف ارسال کر دیا کریں۔ میں آپ کا بہت ممنون ہوں گا اور اس طرح شاید میرے بھی کچھ گناہ کم ہو سکیں گے ان شاء اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

عبدالاحد رحمانی، سندھ

✉ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

سب سے پہلے میں آپ کا اور جو لوگ آپ کے شانہ بشانہ کام کر رہے ہیں مثلاً 'ادارہ النسخاب' کا شکر گزار ہوں کہ آپ لوگ مجاہدین اور اہل حق کے بارے میں کفار کی طرف سے پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا ازالہ کر رہے ہیں اور کفر کا کردہ چہرہ بے نقاب کرنے کا عظیم کام سرانجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کے بدلے بہترین اجر سے نوازے اور صراطِ مستقیم پہ جمائے رکھے، آمین!

عہد الغار، سرحد

✉ السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

سابقہ شمارے میں شائع شدہ مضمون "جہاد فی سبیل اللہ میں حضرت ام عمارہ نسیم بنت کعب الانصاریہ رضی اللہ عنہا کا کردار" خواتین کو جگانے کی بہترین کوشش ہے، کیونکہ عموماً خواتین یہی سوچ کر اس اہم فریضے کو ادا کرنے سے رہ جاتی ہیں کہ جہاد تو فقط مردوں پر ہی فرض ہے اور وہی یہ کام کر سکتے ہیں۔ اس مضمون کو پڑھ کر بے ساختہ یہ جذبہ ابھرتا ہے کہ اگر ہماری ہی طرح کی گوشت پوست سے بنی عورتیں ایسے عظیم الشان کارنامے انجام دے سکتی ہیں تو کیا ہم کچھ نہیں کر سکتیں؟ گو کہ ہمارا اور ان صحابیات رضی اللہ عنہن کا کوئی مقابلہ نہیں! ہم کمزور دل اور کمزور ایمان والیاں ہیں، لیکن پھر بھی جس قدر ہو سکے، ہمیں اس فریضے کی ادائیگی میں اپنے حصے کا کردار ادا کرنا چاہیے کیونکہ صرف مردوں کے جہاد کر لینے سے ہم پر عائد فرض ادا نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور آپ سب بھائیوں کو جو اس کار خیر میں حصہ ڈال رہے ہیں، اپنے مقصد میں کامیاب فرمائیں۔ آمین!

بنت نذر محمد، پنجاب

اپنی آزاد و تجاویز ہمیں ان برقی پتوں پر ارسال کیجیے:

idara.hitteen@yahoo.com

idara.hitteen@gmail.com

طاغوت کے سامنے کلمہ حق کہنا

ہمارے ملکوں میں حکم اپنی ایجاد کو صحیح چکے اور ہم نے اس کا انکار اور مقابلہ کرنے میں بہت کٹھیر کر دی ہے۔ لہذا اب جو حق ہی کہتے ہیں اسے انکار ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا، اور جس نے اب تک شروع نہیں کیا تو اسے جانے کہ وہ حالات کے مطابق تیاری کرے اور رسول اللہ ﷺ کی اس صحیح حدیث میں غور کرے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

”مجھ سے پہلے جس امت میں بھی اللہ نے کوئی نبی بھیجا تو اس کی امت میں اس کے کچھ جواہری اور ساتھی ضرور ہوتے تھے جو اس کی سنت پر چلتے اور اس کے حکم کی پابندی کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد کچھ ناخلف آئے (جن کا طرز عمل یہ تھا کہ) جو کہتے وہ کرتے نہیں اور کہتے وہ جس کا انھیں حکم نہیں دیا جاتا۔ پس جس نے ان کے خلاف اپنے ہاتھ کے ذریعے جہاد کیا تو وہ مومن ہے اور جس نے ان کے خلاف اپنی زبان کے ذریعے جہاد کیا تو وہ مومن ہے اور جس نے ان کے خلاف اپنے دل سے جہاد کیا تو وہ مومن ہے، اور اس کے بعد رانی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔“

(صحیح مسلم)

هو العز هو البشري

هو الدرب إلى الأخرى

وإن شئت فمت حرا

فقول الحق للطاغى

هو الدرب إلى الدنيا

فإن شئت فمت عبدا

(طاغوت کے سامنے کلمہ حق کہنا ہی عزت و غرور ختم ہوتا ہے۔ یہی دنیا میں زندگی کا حتمی منہ ہے اور یہی آخرت کی کامیابیوں کی طرف جانے کا راستہ ہے۔ سو اب چاہو تو غلامی میں جان دو اور چاہو تو آزاد انسانوں کی طرح موت کو گلے لگاؤ)

(شیخ اسامہ بن محمد بن لادن رحمہ اللہ کا خطاب)